Published in Kiran Digest
February-March 1992

آؤ اب اس کو منالیں

از افشاں آفریدی

رائیٹر افشاں آفریدی کے رائٹنگ
کریئر کا پہلا ناول

Afshan Afridi Official

Imagitor

Scanned with CamScanner

چاند نگر گروپ آف پبلیکیشنز،
رکن: آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

کرن

سالگرہ نمبر

نگران: محمود ریاض
مدیر اعلیٰ: محمود بابر فیصل
مدیرہ: نادرہ خاتون
نائب مدیرہ: نیلوفر رفیق
مدیرہ اعزازی: امت الصبور
مدیرہ خصوصی: غزالہ رشید
اشتہارات: خالدہ جیلانی
منتظم: عامر محمود

جلد ۱۴ شمارہ ۱۲
قیمت ۲۰ روپے
مارچ ۱۹۹۲ء

Scanned with CamScanner

حمد، — سلیم احمد — ۱۳

نعت، — تنویر پھول — ۱۳

نظمیں

وہ ملے یوں، — شاہین رشید — ۱۴

اس نے کہا، — قتیل شفائی — ۲۵

کہتی ہے خلقِ خدا غائبانہ؟ — سیما رضا — ۲۲۶

ناول

شامِ دشتِ حیراں، — ۲۸

ناولٹ

تیرے ہجراں سے تعلق، — روبینہ رومی — ۲۲۸

مسافتوں کے درمیاں، — زہرہ ممتاز — ۱۱۴

آؤ اب اس کو منالیں، — افشاں آفریدی — ۱۶۲

سچی کہانیاں

دعاؤں کے حصار، — نجمہ کوثر — ۲۵۶

دو موسموں کی ردا، — فرزانہ علی — ۲۶۱

افسانے

دوسری شادی، — نور بانو محجوب — ۲

ہوئے خواب بھی رخصت، — لبنیٰ غزل

بن تیرے کچھ نہیں، — نبیہ نقوی

درد کی دھوپ، — مہناز عرفان — ۲

خوشبو تھی منتظر، — نگہت عبداللہ

برکھا اپنی دوست، — غزالہ رشید

محبتوں کے سفیر، — رخ چودھری

پریت ہماری ریت، — ثمرہ بخاری — ۱

بغیر عنوان کے، — سجل چودھری — ۲

خط و کتابت کا پتہ:

ماہنامہ سرگزشت اردو بازار کراچی

محمود بابر فیصل نے ابنِ حسن پریس سے چھپوا کر شائع کیا

مقامِ اشاعت: بی/۹۳ علامہ اقبال ٹاؤن، کراچی

فون: ۷۷۲۶۶۱۷

Scanned with CamScanner

حجلۂ عروسی میں سر جھکائے بیٹھے بیٹھے جازیہ کی کمر تختہ ہوگئی تھی۔ اس کی سیاہ آنکھیں ہر دم دروازے کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ وہ مجسم انتظار بنی بیٹھی تھی۔

کمرے میں چاروں طرف گلاب اور موتیے کے پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ کمرے کی آرائش و زیبائش یقیناً تحسین طلب تھی۔ گہرے آتشی رنگ کا بیڈ کور پھولوں کی نازک پتیوں سے ادھ ڈھکا تھا۔ کھڑکیوں پر ہلکے اور دروازوں پر مہین پردے ہوا کے دوش پر لہرا رہے تھے۔ پورا کمرہ سرخ قالین سے مزین تھا۔ ساتھ ہی ساتھ خوبصورت فرنیچر نے کمرے کی سجاوٹ میں چار چاند لگا دیے تھے۔ دروازے

کے انداز میں بولی تو اس کی جھکی ہوئی صراحی دار گردن مزید جھک گئی۔ اور بادامی آنکھیں ان کی چھیڑ چھاڑ پہ مسکرا دیں۔

رخصتی کے وقت مستقل رونے سے وہ بہت مضمحل ہوگئی تھی۔ اس پر سرخ بھاری غرارے پھولوں کے ہاروں کا وزن اور ڈھیروں وزنی زیو نے اسے تھکا دیا۔

سب لڑکیاں جا چکی تھیں مگر وہ پھر بھی اسی انداز میں بیٹھی تھی۔ انتظار [illegible] بڑھتا چلا گیا۔ عدیل کرمانی جانے کیوں آنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے۔ رات دھیرے دھیرے ڈھل رہی تھی۔ مز

کے باہر بالکل سناٹا تھا۔ شاید سب سو چکے تھے۔

ہر کھٹکا ہر آہٹ اسے نگاہیں اٹھانے پر مجبور کر دیتا تھا۔ اسے اس کمرے میں آئے کوئی گھنٹہ بھر ہو چکا تھا۔ تمام لڑکیاں ہنستی مسکراتی چھیڑ چھاڑ کرتی ہوئی باہر جا چکی تھیں۔ اس کی دو نندیں باہر جاتے ہوئے اسے آرام کرنے کی ہدایت کر رہی تھیں۔

"بھابی آپ آرام سے لیٹ جائیے۔ بھائی جان کے آنے میں ابھی ذرا دیر ہے۔" اس کی چھوٹی اور منجھلی نند عمارہ نے ایک آنکھ دبا کر شوخی سے کہا تو تمام چہرے مسکرا دیے۔

"چلو ماری۔ بھابی کافی بیزار ہوگئی ہیں۔" عمارہ سے بڑی سارہ بول پڑی۔

"ویسے بھی انتظار کے لمحے بہت کٹھن ہوگئے ہیں۔ اب تو بھائی جان کو آجانا چاہیے تھا۔ حد ہوتی ہے انتظار کرانے کی۔" وہ جازیہ کے کندھے پر جھک کر سرگوشی

آدھا گھنٹہ گزرنے کے بعد جازیہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ گھونگھٹ کو ذرا کھول کر گھڑی پر نظر ڈالی ساڑھے تین بج چکے تھے۔

ہر گزرتا لمحہ اس کے نازک دل کو دھڑکائے دے رہا تھا۔ آخر وہ کیوں نہیں آرہے؟ وہ سخت پریشان تھی۔ یہ شادی ان کی مرضی سے ہوئی تھی۔ پھر یہ آج۔ نہیں ساڑھے چار مہینے پہلے سے طے اگر کوئی اعتراض ہوتا تو وہ انکار کر سکتے تھے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ خدشات کے ناگ ذہن کی پٹاری میں پھن اٹھا رہے تھے۔ اذیت ناک انتظار اور جان لیوا شکوک نے اس کا رہا سہا اطمینان بھی لوٹ لیا تھا۔

عدیل کرمانی اس کی شربتی آنکھوں کی ٹھنڈک اس کی سوچوں کا عکس،

اس کے دلی جذبات کا مرکز اور اس کے نازک

Scanned with CamScanner

ناولٹ

Scanned with CamScanner

وجود کے گرد لپٹی دھنک تھے۔ ان کی محبت دل کے ایوانوں میں کچھ اس طرح رچ بس گئی تھی کہ اس سے انکار اس کی اپنی ذات سے انکار کے مترادف تھا۔ یہ اس کی یقیناً خوش نصیبی تھی کہ اس نے جسے چاہا اسے پا لیا تھا۔ وہ جتنا بھی ناز کرتی کم تھا۔

مگر ان کا نہ آنا کسی بڑی پریشانی کا مظہر تھا، گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ شک و شبہات یقین میں بدلتے جا رہے تھے اور سہیلیوں کی چھیڑ چھاڑ، خوبصورت ذو معنی باتیں سرگوشیاں بن کر معدوم ہوتی جا رہی تھیں۔

تنہائی میں اسے امی۔ ابو، زویا، جازب اور جازب بڑی شدت سے یاد آ رہے تھے۔ ایک شخص سے ناتا جوڑ کر اسے کتنے مخلص اور پیارے لوگوں کو چھوڑنا پڑا تھا۔ مشفق اور نرم دل امی تو اس کی جان تھیں۔

جازیہ نے عدیل کی صورت میں اپنی حیات پالی ہے۔ مگر وہ پیارے پیارے لوگ بھی تو اس کے اپنے تھے جنہیں چھوڑنے کا دکھ اپنی جگہ مسلّم حیثیت رکھتا تھا۔

جازب کی پیاری پیاری شرارتیں رہ رہ کر اسے رُلا رہی تھیں۔ اس کی اور جازب کی ہمیشہ ہی لڑائی رہتی۔ وہ سارا دن گھر کی صفائی اور ستھرائی میں لگی رہتی اور وہ تمام چیزیں اِدھر اُدھر پھیلاتا رہتا۔ کالج جاتے وقت ایک اودھم مچائے رکھتا۔ ناشتے پر اعتراض، چائے میں شکر کی کمی، سالن میں مرچوں کی زیادتی غرض ہر صورت اسے ستائے رکھتا۔

وہ خاموش بیٹھی ماضی کے نہاں خانوں میں جھانک رہی تھی۔ اور سنہری یادیں خاموشی سے اس کے نین جھروکوں میں در آئی تھیں۔ دل میں اس کی رنگین یادیں کتابوں میں رکھے سوکھے پھولوں کی طرح محفوظ تھیں۔

جازب، جازیہ اور جازب بیرسٹر عاصف خان کے گھر کی روشنیاں تھیں جن سے ان کا گھر جگمگاتا رہتا تھا

جازب نہایت کم گو اور سنجیدہ طبیعت کے حامل تھے جب کہ جازب چھوٹا اور لاڈلا ہونے کی بدولت نہایت کھلنڈرا اور شوخ واقع ہوا تھا۔ اس کا اور جازیہ کا چھوٹی چھوٹی باتوں پر مستقل جھگڑا رہتا۔

کبھی وارڈ روب میں استری کیے کپڑوں کو نکال کر اِدھر اُدھر پھیلا دیتا تو کبھی جگہ پر رکھی ہوئی چیزوں کو بے جگہ کر دیتا۔ جو باوجود کوشش کے نہ ملتیں۔ اور پھر دونوں میں خوب خوب لڑائی ہوتی۔ ایسے میں زویا ان دونوں کی صلح کراتی۔ وہ ان کی خالہ زاد اور چچا زاد تھی۔ ان کے اکلوتے چچا کی اکلوتی بیٹی اور جازب کی منگیتر تھی۔ ان کی چچی کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ زویا ان کے ساتھ ہی رہتی۔ اس کے والد عاطف خان انگلینڈ میں رہائش پذیر تھے۔

زویا، جازب اور جازیہ کے درمیان ثالث کا کردار ادا کرتی تھی۔ وہ جازیہ کی فاسٹ فرینڈ، رازداں اور بہن تھی۔ ان کے چچا زاد اور خالہ زاد سب ہی برادر کزن تھے۔ ایک جازیہ اور زویا ہی تھیں ورنہ تایا کے تین بیٹے تھے۔ احد، فہد اور اسد۔ پھوپھی کا ایک بیٹا سلمان اور چچا کے دو بیٹے کاشف اور عارف۔ تمام کے تمام لڑکے نہایت شوخ اور کھلنڈرے تھے۔

زویا تو خاصی ریزرو رہتی مگر جازیہ کی ان سے خوب گاڑی چھنتی۔ پھر جہاں چار برتن ہوں تو ٹکرا ہی جاتے ہیں۔ لہٰذا کبھی لڑائی تو کبھی صلح۔ غرض دھوپ چھاؤں کا راج تھا۔

"اوہ مائی گاڈ" جازیہ دروازے میں ہی ٹھٹک گئی۔ سامنے سینٹر ٹیبل پر رکھے سارے گلدانوں میں سجائے ہوئے پھول بکھیرے جا چکے تھے۔ تمام پھولوں کو جمع کر کے ایک ہی گلدان میں رکھ کر۔ دوسرے گلدانوں میں پتوں کو بھر دیا گیا تھا۔ تیسرے گلدان میں ایک چٹ پڑی تھی جس پر لکھا تھا "کیسا لگا میرا فلاور ارینجمنٹ" غصے سے جازیہ کا صبیح چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے سیدھا لونگ روم کا رُخ کیا۔ جہاں مجرم کی موجودگی یقینی تھی۔ جازب بڑے مزے سے

Scanned with CamScanner

کامکس پڑھنے میں مگن تھا۔ ابھی تک کامکس پڑھنا اس کی عادت تھی۔ اس وقت کتنا معصوم اور بھولا لگ رہا تھا۔

"جازب کے بچے۔" وہ غصے میں دھاڑی۔

"ہائیں۔ میرے بچے۔ کہاں ہیں میرے بچے۔" وہ چونکنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اپنے اردگرد اپنے بچے تلاش کرنے کے انداز میں نظر دوڑانے لگا۔ چہرہ شوخ ہو رہا تھا۔

"خدارا مجھے میرے بچوں سے ملا دیجئے۔ میں آپ کا سدا احسان مند رہوں گا۔" وہ کمال کی اداکاری کرتے ہوئے اس کے گلے میں بازو حمائل کرکے مصنوعی دھاڑیں مارنے لگا۔

"بکومت۔ پرے ہٹو۔" وہ جھنجھلا کر اس کو دھکیلتے ہوئے بولی۔ "یہ بتاؤ میرے فلاور ارینجمنٹ کو کس نے بگاڑا ہے؟" وہ تیکھی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور غصے میں دانت کچکچا رہی تھی۔

"کون سے پھول۔" وہ انجان بن رہا تھا۔ مگر دوسرے ہی لمحے جازی کے غصے کا لحاظ کرتے ہوئے سنبھل کر بولا۔ "اچھا وہ فلاور ارینجمنٹ۔ چھوڑو بھی یار کس قدر فضول ارینجمنٹ تھا۔" جازب دوستانہ انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

پچھلے مہینے ہی زویا اور جازب نے فلاور میکنگ کا کورس کیا تھا۔ جازی تو دیوانی تھی خوبصورت اور ترتیب سے ڈیکوریٹڈ گھر کی۔ پڑھائی کے دوران اس نے ہوٹل مینیجمنٹ، کٹنگ، سوئنگ، نیٹنگ، انٹیریر ڈیکوریشن اور کوکنگ کے کورسز کر رکھے تھے۔

مزیدار کھانے اور نت نئے ڈیزائنوں کے کپڑے اس کی کمزوری تھے۔ اور بے ترتیبی اس کے ذہن کو سخت گراں گزرتی۔ اسی لیے جازب سے الجھ پڑتی۔ گو کہ وہ لڑاکا نہ تھی مگر ——— اپنے بڑے ہونے کا رعب جھاڑتی مگر جازب بھی رعب اور دبدبے سے گھبرانے والوں میں سے نہ تھا۔ بلکہ اپنی اُول جلول حرکتوں سے اسے مزید چڑاتا۔

"تمہیں اس سے کیا۔ وہ پھول میں نے سیٹ کیے تھے۔ تمہیں انہیں چھونے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی سیاہ آنکھوں سے گھورنے لگی۔

"ضرورت تھی محترمہ۔ کیونکہ اس میں ایک فلاور پاٹ میرا بھی تھا۔ مانا کہ وہ آپ نے ہی میرے کمرے میں سجایا تھا مگر جو چیز میری ہو چکی وہ تو میری ہی ہے۔ میں نے تو صرف اپنا فلاور پاٹ خالی کیا۔ تھا۔" وہ معصوم صورت بناتے ہوئے بولا۔ اسی لمحے زویا کمرے میں آئی۔

"خیریت۔ اب کس بات پر لڑائی ہو رہی ہے۔" وہ ان دونوں کے چہروں کے تاثرات سے اندازہ لگا چکی تھی۔ ویسے بھی جہاں یہ دونوں ہوتے وہاں جھگڑے کا ہونا ضروری تھا۔ لہٰذا وہ تقریباً اپنا سر پیٹتے ہوئے بولی۔

"زویا۔ تم نے دیکھا اس جازب کے بچے کو۔"

"ہاں ہاں۔ زویا نے کئی بار میرے بچے اپنے خواب میں دیکھے ہیں۔" اس نے جازی کی بات بیچ میں سے اچک کر گہری نظر سے زویا کو دیکھتے

نوجوان نسل کے نمائندہ ناول نگار

ذوالقرنین کا ناول

تنہا مسافر

جو "کہنا کہ مسافر تو گیا" کے عنوان سے کرن میں قسط وار چھپتا رہا اور بے حد مقبول ہوا

ایک خاصا اوٹ پٹانگ ناول

کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے

آفسٹ پیپر | بڑا سائز | مجلد

بذریعہ ڈرافٹ یا منی آرڈر مبلغ 100/- روپے پیشگی ارسال کرنے پر 20 روپے کی خصوصی رعایت اور ڈاک خرچ بذمہ ادارہ۔ یہ رعایت صرف کرن کے قارئین کے لیے ہے

قیمت 120/- روپے

سول ایجنٹ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، ۳۷، اردو بازار کراچی

Scanned with CamScanner

ہوئے شوخ لہجے میں کہا تو وہ سٹپٹا گئی۔
"بکو مت۔ بڑی خوش فہمی ہے جناب کو۔ زویا روزانہ درود شریف پڑھ کر سوتی ہے۔ پھر بھلا شیطان اور اس کے چیلے اس کے خواب میں کیسے آسکتے ہیں۔" جازیہ نے اپنی دانست میں گویا اسے چھیڑا۔ مگر وہ کہاں ہار ماننے والوں میں سے تھا
"ظاہر ہے پھوپھی چڑیل کے بھتیجے شیطان ہی ہوں گے۔" اس نے ادائے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ اور جازی سلگ کر رہ گئی۔
"پھر بھی پتا تو چلے۔ بات کیا ہوئی ہے۔" زویا ان دونوں کی چھیڑ چھاڑ سے محظوظ ہوتے ہوئے بولی
"بات کیا ہونی ہے فیانسی ڈیئر۔" جازب نے ہاتھ اٹھا کر جازیہ کو بولنے سے روکا۔ اور زویا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ وہ اسے اکثر اسی طرز تخاطب سے پکارتا۔
"بس جازی نے گلدانوں میں بڑی کنجوسی سے پھول لگائے تھے۔ لہٰذا میں نے وہ سب ایک ہی گلدان میں سیٹ کر دیے۔ کہو تو گلدان لے کر آؤں۔" وہ دروازے کی جانب لپکا تو جازیہ نے فوراً اس کا بازو تھام لیا۔
"خبردار جازب۔ جو تم نے اسے چھوا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" اپنی گہری سیاہ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے وہ اسے وارننگ دے رہی تھی۔
"اور کیا۔ تم سے برا تو کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔ تم نے برائیات میں پی ایچ ڈی جو کر رکھا ہے۔" وہ اپنا کندھا چھڑاتے ہوئے مصنوعی سنجیدگی سے بولا۔
"اسے سنبھالو زویا۔ ورنہ تو یہ میرے ہاتھوں پٹ جائے گا۔" جازیہ کا اس پر بس نہ چلا تو زویا کو بیچ میں لے آئی۔
"آپ کیوں تنگ کرتے ہیں جازب۔" زویا مسکراہٹ کو چھپاتے ہوئے اسے سرزنش کرنے لگی۔
"تو پھر کیا کروں۔ اگر انہیں تنگ نہیں کروں گا تو کسے کروں گا۔" جازب مسکرایا۔ "خیر آپ کہتی ہیں تو کوشش کروں گا۔ ویسے بھی لوگ تو منگیتروں کے لیے تارے وغیرہ تو لاتے ہی ہیں تو پھر میں بھی آپ کا حکم مانوں گا۔ گو یہ کام تارے توڑنے سے زیادہ مشکل ہے۔" وہ اک جذب کے عالم میں زویا کو دیکھتے ہوئے بولا۔ تو وہ بری طرح لجا گئی۔
"ماشاء اللہ۔ یہاں بڑی بہن موجود ہے اور موصوف عشقیہ گفتگو فرما رہے ہیں۔" جازیہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے اپنی مخروطی انگلیوں سے چٹکی بجا کر کہا۔
"اچھا بابا ٹھیک ہے۔ آئندہ بکواس نہیں کروں گا۔ اب ذرا صلح کر لو۔" جازب نے اچھے بچوں کی طرح ہاتھ بڑھایا۔ اس وقت چائے پینے کا سخت موڈ ہو رہا تھا۔ اس لیے فوراً سفید جھنڈی لہرائی
"قطعی نہیں۔" وہ بضد تھی۔
"ڈیئر سسٹر دوستی کرنا اچھے بچوں کا کام ہے۔ چلو اب صلح کر لو۔ پھر ہم مل کر رہیں گے۔"
"چلو نکلو یہاں سے۔" جازی نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اسے تقریباً دھکا دیتے ہوئے کہا۔
"آرام سے بھئی ہم شریف لوگ ہیں، عزت سے آئے ہیں اور جائیں گے بھی۔" جازب نے بوکھلانے کی ایکٹنگ کی۔
"ناں۔ آپ ایسے نہیں جائیں گے، آپ کو دھکے دینے پڑیں گے۔" وہ سب ناراضگی بھول کر ہنس دی اور ایک بار پھر اسے باہر کی طرف دھکیل دیا۔ تو وہ بھی باہر کی طرف چل دیا۔
"نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے
اس کی بڑبڑاہٹ پر دونوں ہنس دیں۔
"چلو جازی۔ کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ اب چل کر کھانا لگواؤ۔ بڑی زوروں کی بھوک لگی ہے۔" زویا نے جازیہ کو ساتھ لے جاتے ہوئے کہا۔
"اوہ ہاں چلو۔ آج میرے ہاتھ کا کڑھائی گوشت کھاؤ گی۔ تو دل خوش ہو جائے گا۔" جازی نے تمام کورسز کر کے باقاعدہ ان پر عمل بھی کیا تھا۔ روزانہ ایک نئی ڈش تیار کرنا تو جیسے اس کا محبوب مشغلہ تھا اس کے اس شوق کی بدولت ہر روز نئے نئے کھانے

Scanned with CamScanner

پکتے جن کی تعریفیں سبھی کرتے مگر جازب نے تو جیسے قسم کھا رکھی تھی تعریف نہ کرنے کی۔

کھانے کی ٹیبل پر آتے ہی اس نے پوچھا۔

"آج کیا زہر مار کرنا پڑے گا۔"

اس کے "زہر مار" کہنے پر جازیہ چڑ کر رہ گئی۔ کتنی محنت سے گھنٹے بھر کھڑے ہو کر اس نے پکایا تھا اور وہ کتنے مزے سے اسے کھائے بغیر ہی برا بھلا کہہ رہا تھا۔

"آج کڑھائی گوشت بنایا ہے جازیہ نے" مہ جبیں بیگم دھیرے سے بیٹے کی بات پر مسکرائیں۔

"پھر تو واقعی زہر مار کرنا پڑے گا۔"

"تو تم کو کون کہتا ہے کہ کھاؤ یہ زہر۔"

"اب ظاہر ہے بھوکا تو مرنا نہیں ہے۔" وہ چڑانے والے انداز میں بولا تو وہ اندر ہی اندر کھول کر رہ گئی اور وہ اس کی خشمگین نگاہوں سے قطع نظر کھانے کے ساتھ انصاف کرنے لگا۔ فیرنی کا چمچہ بھر کر منہ میں ڈالا تو مسکرا کر بولا۔

"واہ واہ بہت اچھی فیرنی بنائی۔" اس کی تعریف پر جازیہ سرشاری ہو گئی۔ سب ہی اس کے ہاتھ کے بنے کھانوں کی بہت تعریفیں کرتے تھے مگر جازب کو تو جیسے اس سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔ کھانے میں حاتم مگر تعریف کے معاملے میں کسی یہودی کی طرح۔ کنجوس۔

"ویسے اس کا ذائقہ اور بھی اچھا ہوتا اگر اس میں کچھ چینی ڈال دی جاتی۔" وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا تو زویا اور مہ جبین بیگم بے ساختہ مسکرا دیں۔ اور جازیہ جو ابھی تھوڑی دیر پہلے خاصی خوش تھی آگ بگولہ ہو گئی۔

"تم بھی بہت اچھے ہوتے اگر تم میں کچھ تمیز ہوتی۔" وہ اس پر چڑھ دوڑی۔

"بندے نے آپ کی بات کا بالکل برا نہیں مانا۔" جازب مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

جازی اس کی اسی بات پر تلملا اٹھتی کہ وہ اس کی بڑی سے بڑی بات پر ڈھیٹ پن سے مسکرا کر اسے اور غصہ دلاتا۔

"پتا ہے امی۔ آج جازب نے کیا کہا۔" جازیہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو وہ فوراً ہی اس کی شکایت لے بیٹھی جو بڑے زور و شور سے گانے میں مصروف تھا۔ کہ

"ہماری بس یہی عادت انہیں گراں گزری
ہر اک ستم پر خاموشی سے مسکرا دینا۔"

ساتھ ساتھ تالیاں بھی بجا رہا تھا۔

"خاموشی سے نہیں ڈھیٹ پن سے کہو۔" وہ چڑ کر بولی۔

"آداب عرض ہے۔" وہ جھک کر مزید چڑانے کے لیے کورنش بجا لایا۔ جازیہ اسے نظر انداز کر کے مہ جبیں بیگم کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اور قدرے غصیلے لہجے میں بولی۔

"اس نے میری محنت سے سیٹ کیے ہوئے تمام پھول گلدانوں سے نکال دیے۔"

"تو کس نے کہا تھا کہ آپ میرے فلاور پاٹ پر اپنے کورس کی طبع آزمائی کریں۔ میرا تو اس گھر میں رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ تکیوں پر ایسے ایسے پھول پتے کاڑھے ہیں کہ بندہ رات کو سوتے تو صبح وہی ڈیزائن اس کے گال پر بھی چھپا ہوا ہوتا ہے۔ میں نے کتنی محنت سے تمام کرکٹرز کی تصاویر لگائی تھیں دیواروں پر تو۔ باجی حضور نے انہیں ترچھے سے سیدھا کر دیا۔ انٹیریر ڈیکوریشن کا کورس بھی میرے اکلوتے کمرے پر آزمایا گیا۔ اوپر سے سونے پہ سہاگا کہ ایسے ایسے کڑھائی اور توا گوشت بنا بنا کر میرے ہاضمہ کا ستیاناس کر دیا۔ اب اسی کی کسر رہ گئی ہے کہ موصوفہ الٹے سیدھے سوئٹرز بن کر مجھے جولائی کے مہینے میں پہنائیں۔" وہ مصنوعی غصے میں بیٹھا چڑنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا۔

زویا اور مہ جبین بیگم جو ابھی تک دونوں کی نوک جھونک پر مسکرا رہی تھیں جازب کی لمبی تقریر سن کر بے ساختہ ہنس پڑیں۔

"بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا حجرہ۔ آئندہ میں کبھی اس اصطبل نما کباڑ خانے کا رخ نہ کروں گی۔" وہ غصے میں تمام برتن سمیٹ کر کچن کی طرف چل دی۔

Scanned with CamScanner

"شکریہ بہت بہت شکریہ۔" جازب نے پیچھے سے بلند آواز میں کہا تو جازیہ غصے میں تلملا کر رہ گئی۔

"آج تو سخت بوریت ہوئی۔" جازب نے کالج سے آتے ہی کتابیں ایک طرف اچھال دیں اور قالین پر بیٹھ کر جلدی جلدی جوتوں کے تسمے کھول کر جوتے دروازے کی طرف پھینکے اور موزے اتار کر قریب ہی ڈال دیے۔ اور کشن نیچے رکھ۔ دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔

"جازب یہ سب کیا ہے۔" جازی نے کمرے میں آکر یہ حلیہ دیکھا تو سر پیٹ لیا۔ بے ترتیبی سے اسے شروع ہی سے چڑ تھی۔ اب جو تمام کتابیں موزے اور کشن ادھر ادھر بکھرے دیکھے تو بھنا گئی۔ جازب نے دو ہی منٹ میں کمرے کا حلیہ بدل دیا تھا۔

"اٹھاؤ یہ تمام چیزیں اور جگہ پر رکھو۔" وہ بولی۔

"رکھ دوں گا بابا رکھ دوں گا۔ ابھی بہت تھک گیا ہوں۔ تھوڑی سی چائے لا دو۔"

"ایک شرط پر۔" جازیہ مسکائی۔

"کیا۔" جازب نے بوکھلا کر پوچھا۔

"شرط یہ ہے کہ تم مجھے اور زویا کو مارکیٹ شاپنگ کے لیے لے کر جاؤ گے۔"

"کیوں۔ اب کیا خریدنا ہے۔" وہ قدرے بیزاری سے بولا۔

"کچھ کڑھائی کے نمونے لینے ہیں اور پھر رائمہ کی منگنی آرہی ہے اس کے لیے کچھ تیاری کرنی ہے۔"

"ناں بابا ناں۔ میں تو تم لوگوں کے ساتھ جانے کا نہیں۔" جازب نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"پلیز میرے بھائی۔ دیکھو جازب بھائی کی تو آج خاص میٹنگ ہے اس لیے وہ نہیں جا رہے۔ ورنہ ہم ان ہی کے ساتھ جاتے۔"

"واہ بڑے بھائی کس چالاکی سے آپ نے چھٹکارا پا لیا۔"

"چلو پلیز میرے پیارے سے بھائی جلدی سے کھانا کھا کر تیار ہو جاؤ۔ پھر میں بہت ہی مزے کی الائچی والی چائے بنا کر دوں گی۔ جس سے تمہاری ساری تھکن دور ہو جائے گی۔" وہ منت کرنے لگی۔

اور چائے کا لالچ بھی ساتھ ساتھ دیا۔

"واہ رے مولا واہ
جتا جتا کے محبت دکھا دکھا کے خلوص
بڑے فریب سے لوٹا ہے دوستوں نے مجھے"

جازب نے کن انکھیوں سے جازی کو دیکھا تو وہ پوری جان سے سلگ گئی۔ وہ کتنی دیر سے اسے منا رہی تھی۔ اور وہ تھا کہ اکڑے جا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے مت جاؤ۔ ہم خود ہی چلے جائیں گے۔" وہ غصے میں پیر پٹختی ہوئی باہر چلی گئی۔

اجازت لینے کے لیے مہ جبین بیگم کے پاس پہنچے۔

"امی۔ جازب کو دیکھئے وہ جانے سے انکار کر رہا ہے۔" جازیہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ سامنے ہی زویا بیٹھی کسی رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی۔

"کہاں جانے سے انکار کر رہا ہے۔" مہ جبین بیگم نے سوال کیا۔

"شاپنگ کرنے جانا تھا۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"آج صبح ہی تو آپ سے کہا تھا۔"

"میرا خیال ہے جازی کہ آج رہنے دو، پرسوں میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ۔ آج کل تو مجھے اپنا سوٹ مکمل کرنا ہے۔"

"اچھا جیسے آپ کی مرضی۔" اس کا جانے کو تو بہت دل چاہ رہا تھا مگر مہ جبین بیگم کے انکار کے بعد کیا ہو سکتا تھا۔ لہٰذا ان کی ہر بات پر خوشی سے سر جھکانے والی جازی نے ان کی ہدایت پر لبیک کہا۔

ویسے بھی اکیلے تو وہ جانے نہ دیتیں۔ کچھ پرانے زمانے کی سوچ تھی۔ زویا اور جازیہ کو بھی ایسی ہی تربیت دی تھی کہ جہاں وہ جائیں جن حالات میں رہیں نباہ کر سکیں۔ اور یہی تربیت دھیرے دھیرے ان کی عادتیں بن گئیں، جھگڑا ہو تو وہ صرف جازب کے لیے تھی۔

اپنے نفس پر قابو پانے کا گر تو انہوں نے بچپن سے ہی سیکھ لیا تھا۔ اپنی بڑی سے بڑی خواہش کو والدین کی رضا کے لیے حسرت بنانا تو جیسے ان کے فرائض منصبی میں شامل تھا پھر یہ تو ایک چھوٹی سی بات تھی۔

Scanned with CamScanner

"یہ لو خط پڑھو۔" انہوں نے اسے خط تھمایا۔
"کس کا ہے؟" زویا نے اس کے ہاتھ سے خط لے کر کھولتے ہوئے پوچھا۔
"عائشہ کا۔" مہ جبین بیگم مسکرائیں۔
"کیا واقعی۔ عائشہ آنٹی کا۔" زویا اور جاز یہ بیک وقت چیخ پڑیں۔ خوشی سے دونوں کی بے یقینی کی سی کیفیت تھی۔
"وہ کل پرسوں یہاں پہنچ رہی ہیں۔ شہریار بھائی تو پہلے ہی یہاں تھے۔ جب سے ان کا ٹرانسفر ہوا تھا مگر عائشہ اور بچے وہاں عدیل کی وجہ سے تھے۔ اب اس نے بھی اسی سال انجینئرنگ کورس مکمل کر لیا ہے۔ لہٰذا وہ سب یہاں آ رہے ہیں مگر عدیل وہیں رہیں گے۔"
"کیوں؟" جازی بول پڑی۔
"وہاں ان کا کاروبار ہے۔ اب تو خاصا پھیل گیا ہے۔ اس لیے ان کا آنا بہت مشکل ہے۔ وہ لوگ آئیں گے اس کے لیے کچھ انتظام وغیرہ کرنا ہوں گے۔"
"کیا وہ سب یہاں رہیں گے؟" جازیہ بے انتہا خوشی کو ضبط کرتے ہوئے بولی۔
"نہیں۔ شہریار بھائی نے یہاں بنگلہ بھی خرید لیا ہے۔ بس وہ بھی وہیں رہیں گے۔" انہوں نے وضاحت کی۔
"اوہ نو۔ کتنا مزا آتا اگر وہ یہاں رہتے۔ ہمارے گھر میں۔"
"میں نے تو بارہا کہا مگر سہیل کسی کے گھر ٹھہر نہیں سکتا۔ جب چھوٹا تھا جب بھی بالکل ایسا ہی تھا۔ نہ خود چین سے بیٹھتا نہ عائشہ کو بیٹھنے دیتا۔" وہ مسکراتے ہوئے بیتے زمانے یاد کرنے لگیں اور آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں جیسے سب کچھ ابھی ہی کی بات ہو۔
"اب تو بچوں کو دیکھے ہوئے بھی چھ سال ہو گئے ہیں۔" وہ بولیں۔
"ہم لوگوں نے تو دس سال سے انہیں دیکھا ہی نہیں ہے۔" زویا نے کہا۔
"ہوں۔ عدیل کو تو تم نے دیکھا ہی نہیں ہے۔"

Scanned with CamScanner

وہ تو بہت ہی کم عمری میں فارن ہائیر اسٹڈیز کے لیے چلے گئے تھے اور باقیوں کی تو تصویریں دیکھی ہی ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھیں۔

"ہاں باقاعدہ خط و کتابت بھی تھی۔ فون کالز وغیرہ الگ۔ مگر روبرو پورے ساڑھے نو سال بعد ہوں گے۔" جازیہ نے انگلیوں پر گنتے ہوئے کہا۔

آصف خان اور شہریار کرمانی کالج کے زمانے سے ہی کلوز فرینڈز تھے۔ پھر آصف خان نے وکالت کا پیشہ اپنا لیا جب کہ شہریار کرمانی سول سروس کی طرف چلے گئے۔ شہریار کرمانی کی شادی پر آصف خان نے مہ جبین بیگم کو دیکھا تھا۔ جو عائشہ بیگم کی گہری سہیلی تھیں۔ ساتھ ساتھ کچھ رشتے داری بھی تھی۔ مگر سب سے اہم رشتہ دوستی کا تھا۔ آصف خان صاحب نے وہیں انہیں پسند کیا اور یوں شہریار کرمانی کی شادی کے سات آٹھ ماہ بعد ہی چٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق میں مہ جبین بیگم مسز آصف خان بن کر ان کے آنگن میں اتر آئیں۔

پھر ـــــ شہریار صاحب ٹرانسفر ہو کر ـــــ ایبٹ آباد چلے گئے۔ اور آصف صاحب یہیں رہ گئے۔ کچھ دنوں بعد وہ پھر واپس آئے۔ ان دنوں جازیہ ان سے بہت اٹیچ ہو گئی۔ نرم نرم لہجہ رکھنے والی عائشہ بیگم اس کی پسندیدہ ہستی بن گئیں۔ لیکن وہ سب واپس ایبٹ آباد چلے گئے کیونکہ شہریار صاحب کا ٹرانسفر دوبارہ وہاں ہو گیا۔ عائشہ بیگم جانا تو نہیں چاہتی تھیں مگر مجبوری تھی۔ ان کے ایکدم جانے سے جازیہ سخت بیمار پڑ گئی۔

کہتے ہیں وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے۔ دھیرے دھیرے جازیہ بھی بہل گئی۔ لیکن ہر خط میں وہ جازیہ کا ذکر کرنا نہ بھولتیں۔ پھر بڑے ہونے کے ساتھ اس کی بھی خط و کتابت شروع ہو گئی۔ عائشہ بیگم سال دو سال میں ایک بار ضرور آتیں مگر ہمیشہ اکیلی۔ کبھی ہیل کے سمسٹرز ہیں تو کبھی عمارہ کے امتحانوں کا سلسلہ بیچ میں آجاتا تو کبھی شہریار صاحب کے سیمینار تو کبھی عدیل کی بزنس ڈیلنگ سارا پروگرام اپ سیٹ کر دیتیں۔ اس طرح کوئی بھی ان کے ساتھ نہ آپاتا۔ یونہی ماہ و سال کا چکر چلتا رہا۔

عائشہ بیگم آتیں تو جازیہ تو گویا ان سے چپک جاتی۔ زویا بھی ان کو اور وہ بھی زویا کو بہت پسند کرتی تھیں مگر جازیہ کی تو بات ہی اور تھی۔

اب وہ ہمیشہ کے لیے اپنے شہر واپس آرہی تھیں۔ کیونکہ شہریار صاحب سول سروس سے ریٹائر ہو چکے تھے۔ ان کا خیال یہیں کاروبار کرنے کا تھا۔ جازیہ کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

"امی! ابو کہاں ہوتے ہیں آج کل۔ دو دن سے اتنے لیٹ آتے ہیں کہ ان سے ملاقات ہی نہیں ہوتی۔ صبح ناشتے کے وقت سلام دعا پھر دن بھر کی چھٹی۔" جازی کا انداز نہایت شاکی تھا۔

"وہ آج کل کسی خاص کیس پر کام کر رہے ہیں۔ اس لیے دیر ہو جاتی ہے۔ بس ایک دو دن کی بات ہے پھر....." مہ جبین کی بات درمیان سے اچک لی گئی۔

"پھر ہم تم ہوں گے بادل ہوگا
رقص میں سارا جنگل ہوگا۔"

جازب بلند آواز سے گاتا ہوا اندر آیا تو مہ جبین بیگم اور زویا زور سے ہنس پڑیں۔

"تم اپنی چونچ بند نہیں رکھ سکتے۔" جازیہ جو شاپنگ پر نہ لے جانے کی وجہ سے ادھار کھائے بیٹھی تھی چڑ کر بولی۔

"نہیں ہرگز نہیں۔ چونچ بند کروانے کا کرایہ لگتا ہے۔" وہ اپنے خاص ڈھیٹ پن سے اسے چڑانے لگا۔

"تم دونوں نے پھر لڑنا شروع کر دیا۔" مہ جبین بیگم نے سادے لہجے میں دونوں کو سرزنش کی۔ "تم دونوں کے برابر ہی زویا اور عازب بھی ہیں مگر تم دونوں کو تو جیسے لڑنے کا سرٹیفکیٹ ملا ہوا ہے۔ بس جب جی چاہا لڑنا شروع کر دیا۔"

"آپ نے دیکھا امی۔ لڑنا جازی نے شروع کیا تھا۔" جازب ایک دم جرح کرنے لگا۔ "میں تو صرف گانا گا رہا تھا۔" ساتھ ہی اس نے ایسی معصوم

Scanned with CamScanner

شکل بنائی جیسے سارے ظلم اس کی ہی جان پر تو ٹوٹے ہیں۔

"نہیں امی جازب نے لڑنا شروع کیا تھا۔"

"تم نے شروع کیا تھا۔"

"تم نے شروع کیا تھا۔" دونوں زور و شور سے لڑنے لگے۔

"ارے ارے یہ کیا بچوں کی طرح لڑ رہے ہو۔" کمرے میں داخل ہوتے ہوئے آصف صاحب نے پیار بھرے لہجے میں کہا تو دونوں ہی چپ ہو گئے ورنہ تو ان کا چپ کرانا مشکل ہی تھا۔

"آپ ہی دونوں کو سمجھائیے۔ سارا سارا دن لڑتے ہیں اور صلح صفائیاں کراتے کراتے میں تو تھک گئی ہوں۔" بیگم آصف نے بیزاری سے شکایت کی۔

"جتنا لڑتے ہیں اتنا ہی پیار بھی تو کرتے ہیں۔" آصف صاحب نے دونوں کی حمایت کی۔

"قطعی نہیں۔ مجھے تم سے کوئی محبت وغیرہ نہیں۔" جازیہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

اس سے پہلے وہ کچھ کہتی، آصف صاحب نے کہا "جازیہ بیٹا ایک کپ چائے تو بنا لاؤ۔"

"کیوں آپ کھانا نہیں کھائیں گے۔" زویا نے پوچھا

"نہیں بیٹا۔ آج ایک کلائنٹ کے ساتھ کھا لیا تھا۔" آصف خان نے بھتیجی کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"اوہ۔" زویا اور جازیہ بیک وقت بولیں۔ دونوں کے ارمانوں پر تو جیسے اوس پڑ گئی۔

"کیوں۔ بھئی خیریت تو ہے۔" آصف صاحب نے حیران کن لہجے میں پوچھا۔

"آج دراصل انہوں نے آپ کی پسند کی ڈش بنائی تھی۔ چائنیز پلاؤ۔" مرجین بیگم نے انہیں مطلع کیا۔

"چلو کوئی بات نہیں شام کو کھا لیں گے۔" وہ دونوں کا دل رکھنے کے لیے بولے۔

"لیکن شام کو تو باسی ہو جائیں گے۔ پھر ہم نے آپ کی اور عازب بھائی کی وجہ سے کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔" جازیہ نے گلہ آمیز لہجے میں کہا۔

"تو چلو کوئی بات نہیں۔ ہم دوبارہ کھا لیتے ہیں۔" آصف خان نے کوٹ ایک طرف رکھا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"عازب کہاں ہے؟" مرجین نے پوچھا۔

"وہ اپنے کمرے میں ہوگا۔ ابھی میرے ساتھ ہی گھر میں داخل ہوا ہے۔" آصف صاحب نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے کہا۔

سب ہی ان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گئے جازیہ اور زویا نے مل کر میز پر کھانا چن دیا۔

اشتہا انگیز خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ کھانے کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جا رہا تھا۔

"ابو۔ آپ اور لیجیے۔" جازیہ نے پڈنگ کی ڈش آگے بڑھائی۔

"کام کی بات کرو جازی۔ یہ کیا مکھن لگا رہی ہو۔" جازب پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے بولا۔ اسے جازیہ کا یوں شوق سے ڈشز بڑھانا ذرا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"ابو دیکھ رہے ہیں آپ اسے۔" وہ اس کا مطلب سمجھتے ہوئے بولی۔

"ہاں دیکھ رہے ہیں۔ اور اب سے نہیں اکیس سال سے دیکھ رہے ہیں۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے بینائی دی ہی اس کام کے لیے ہے۔" اس نے جازی کی بات مذاق میں اڑائی اور وہ بس اسے گھور کر رہ گئی۔ کچھ تو امی ابو کا لحاظ تھا۔ اور کچھ کھانے کا احترام تھا ورنہ تو اسے بے نقط سناتی۔ مزید کچھ نہ کہا۔ بلکہ آصف صاحب سے شکایتی لہجے میں گویا ہوئی۔

"ابو آپ اور عازب بھائی ہمیں کیس اور ڈیلنگز کی وجہ سے مسلسل اگنور کر رہے ہیں۔"

"اوہ۔ میں تو آج کل بہت مصروف ہوں گڑیا۔" عازب دلکش تبسم لیے بولے۔ اور جب وہ گڑیا کہہ کر اسے پکارتے تو اس کے اندر جیسے ڈھیروں پیار امڈ آتا اپنے بھائی کے لیے

"آپ کب مصروف نہیں ہوتے۔" جازی نے جرح کیا تو وہ زیر لب مسکرا دیے۔ کیا جواب دیں

Scanned with CamScanner

وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی۔

"ارے بیٹا ہر کیس کو حل کرتے وقت تم ہی تو میرے ذہن میں ہوتے ہو۔ پھر نظر انداز کیسے کر سکتا ہوں۔" آصف صاحب نے اسے بہلایا

"ظاہر ہے کرمنل کیس حل کرتے وقت چور اچکوں ہی کی تصویر دماغ میں ہو سکتی ہے۔" حالانکہ جازب نے کافی ہلکے سے بڑبڑا کر کہا تھا مگر آواز اتنی اونچی تھی کہ جازبہ سمیت سب نے سن لی۔

"ابو نے تمہارے لیے بھی کہا ہے۔" وہ خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"بری بات جازب۔ بڑوں کو ایسے نہیں کہتے۔" آصف صاحب نے اسے سرزنش کی تو جازبہ مسکرا دی۔ حساب چکتا ہو گیا تھا۔

"اور ہاں۔ ان لوگوں کو آئے ایک دن ہو گیا ہے۔" آصف صاحب نے شہریار صاحب کی فیملی کے بارے میں انہیں انفارم کیا۔ "میں نے انہیں دو تین دن بعد کے لیے کہہ دیا ہے۔ وہ لوگ آئیں گے۔ فی الحال تو بھابی اور بچیاں گھر کو سیٹ کر رہی ہیں۔"

جازبہ اور زویا ایک دوسرے کو دیکھ کر نظروں ہی نظروں میں مسکرا دیں۔

رات ہونے سے پہلے ہی دونوں نے مل کر گھر کا نقشہ ہی بدل ڈالا اور اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہوئے گھر کو نہایت نفاست سے سیٹ کیا۔ نئے پردے، نئے کشن، نئی سیٹنگ غرض ہر چیز بدل ڈالی۔ گھر تو پہلے ہی شیشے کی طرح جگمگ جگمگ کرتا تھا اب اور خوبصورت اور جاذب نظر لگ رہا تھا۔

سب ہی لوگ ان کے آنے سے خوش تھے۔ آصف صاحب اور شہریار صاحب کی لازوال اور بے غرض دوستی کی مثال تو لوگ دیتے ہی تھے مگر مہ جبین بیگم اور عائشہ بیگم بھی کسی سے کم نہ تھیں۔ عازب اور عدیل یکساں طبیعت اور رجحانات کی وجہ سے کافی قریب تھے۔ پیشے میں بھی اشتراک تھا لہٰذا خوب اچھی کمپنی ہوتی۔

عدیل اور جازب دونوں ایک ہی مزاج کے تھے۔ وہاں عدیل عمارہ اور سارہ کو تنگ کیے رکھتا تو یہاں جازب نے ان دونوں کی جان عذاب میں کر رکھی تھی۔ دونوں کی بڑی گاڑی چھنتی۔

چاروں سہیلیاں آپس میں بہت بے تکلف تھیں اور مزاج بھی تقریباً ایک سے ہی تھے۔ بس زویا اور سارہ تھوڑی بہت کم گو تھیں۔ مگر جب چاروں ملتیں تو کوئی کسی سے پیچھے نہ رہتا تھا۔

رات کو سب تھک کر سو گئے۔ زویا اور جازبہ کتنی ہی دیر باتیں کرتی رہیں۔ اور ان کے ساتھ گھومنے اور تفریح کرنے کے پروگرام بناتی رہیں۔ پھر زویا اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ جازبہ تو دن بھر کی تھکی ہوئی تھی۔ تکیے پر سر رکھتے ہی نیند کی حسین وادی میں پہنچ گئی۔ جہاں ہر طرف خوبصورت خواب بکھرے ہوئے تھے۔ اس وقت وہ کتنا حسین خواب دیکھ رہی تھی کہ وہ بادلوں میں اڑی جا رہی ہے۔ اس کے ریشمی سیاہ لانبے بال ہواؤں میں بے تحاشہ اڑ رہے ہیں۔ چاروں طرف دھند چھائی ہوئی ہے۔

ایسے میں ایک حسین چہرہ دکھائی دیتا ہے ایک خوبصورت دل آویز مسکراہٹ اس چہرے پہ رقصاں ہے جازبہ جیسے اس حسین مسکراہٹ میں کھو جاتی ہے اور پھر وہ حسین اور وجیہہ چہرے والا شہزادوں کی سی آن بان والا اس کا گلابی ہاتھ تھام لیتا ہے۔ اب تو اس کی آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

جازبہ ایک دم ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ وہ اپنے بستر پر موجود تھی اس نے جلدی سے اٹھ کر لائٹ آن کی۔ کتنا خوبصورت خواب تھا۔ اس نے گھبرا کر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ ابھی تک وہ اس مضبوط ہاتھ کا لمس اپنے ہاتھ پر محسوس کر رہی تھی۔

وہ دلفریب مسکراہٹ اس کی آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ کتنی دیر تک وہ ان نگاہوں کو تصور میں دیکھتی رہی جو اس کی روح کو چھیدتی جا رہی تھیں۔

Scanned with CamScanner

پھر تمام رات جازیہ سو نہ سکی۔ صبح ہونے میں کچھ دیر تھی جب ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔

وہ ہی خواب اس نے دوبارہ دیکھا۔ وہ پھر اٹھ گئی۔ شاید اسے کوئی جگا رہا تھا۔ اس نے نیند بھری آنکھوں سے دیکھا۔

زویا اسے مسلسل اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی "اٹھ جاؤ جلدی سے۔" زویا نے اسے پیار سے اٹھایا

"اٹھ رہی ہوں۔" جازیہ خمار آلود لہجے میں بولی۔

"محترمہ ساڑھے آٹھ بج رہے ہیں۔" زویا نے اطلاع دی۔

"کیا۔" جازیہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ اتنی دیر تو وہ کبھی نہ سوئی تھی۔ یہاں تک کہ جازب کی منگنی والی رات بھی ساری رات گانے بجانے کے باوجود وہ صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد کاموں میں مصروف ہو گئی تھی۔ مگر آج رات تو اس نے برسوں کی نیند لے لی تھی۔

"امی ابو نے ناشتہ کر لیا۔؟" جازیہ نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ عازب بھائی اور جازب تو جا بھی چکے ہیں۔ بس تایا اور ابو جانے والے ہیں۔ اور موصوفہ ہیں کہ سوئے جا رہی ہیں۔" زویا نے ہنس کر کہا۔

"سوری زویا۔ میری آنکھ ہی نہ کھل سکی۔" جازیہ شرمندہ لہجے میں بولی۔

"ناشتہ کس نے بنایا۔؟"

"تائی امی نے، میری تو طبیعت خراب ہو رہی ہے۔"

"کیوں کیا ہوا؟" جازیہ بستر سے اٹھ بیٹھی۔

"بس ایسے ہی نزلہ اور ہلکا ہلکا بخار۔"

"اوہ سوری ڈیئر۔ میں نے خوامخواہ تم کو اور امی کو تکلیف دی۔" جازیہ اور زویا باتیں کرتی ہوئی باہر آ گئیں۔

گھر کتنا بدلا بدلا لگ رہا تھا۔ رات ہی سیٹنگ بدلی تھی۔ اس لیے آنکھیں کچھ عادی نہیں ہو پا رہی تھیں

جازیہ منہ ہاتھ دھو کر ٹیبل پر آ گئی۔

"کیوں بیٹا آج بڑی دیر کر دی تم نے۔" آصف صاحب نے اخبار ایک طرف رکھ کر پوچھا۔

"بس ابو جی آنکھ ہی نہ کھل سکی۔"

"اور زویا کو بھی بخار چڑھ گیا ہے۔ کہا تھا تم دونوں سے کہ باقی کام کل کر لینا۔ مگر تم لوگوں نے کسی کی نہ سنی۔" آصف صاحب نے اس کا سر تھپکتے ہوئے کہا۔ انہیں معلوم تھا کہ اس وقت تو بہت خوش تھیں اس لیے کام کرتی رہیں مگر تھکن اپنا کام دکھا گئی تھی۔

"جی۔" دونوں مسکرا دیں۔

"او کے۔ خدا حافظ۔" انہوں نے اپنا کوٹ اٹھایا اور چلے گئے۔

"تم دونوں ناشتا کرو۔ میں ذرا اشراق کی نماز پڑھ لوں۔" مہ جبین بیگم ان کے جانے کے بعد بولیں۔

دونوں ناشتا کرنے لگیں۔ "تم نے ناشتا نہیں کیا تھا؟" جازی نے زویا کو سلائس پر مکھن لگاتے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں۔ میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

"اوہ۔ ڈیئر سسٹر۔ آئی لو یو ٹو مچ۔" جازی نے خوش ہوتے ہوئے اپنی سڈول بانہوں کا ہار زویا کے گلے میں ڈال دیا۔

"تھینک یو فار واوٹنگ۔"

"کوئی بات نہیں۔ تم بھی تو میرے بغیر کھانا نہیں کھاتیں پھر میں کیسے کھاتی۔" وہ بھولپن سے بولی۔ کسر نفسی تو کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ دونوں میں، دونوں تھیں تو کزن مگر بچپن کے ساتھ اور مہ جبین بیگم کی تربیت نے دونوں کو ایسے بندھن میں باندھ دیا تھا کہ نہ تو جدا ہوتیں نہ خفا۔ اب تو رشتہ اور بھی پکا ہو گیا تھا۔ جازی، جازب اور زویا کی منگنی پر کتنی خوش تھی۔ بھولی بھالی زویا میں تو اس کی جان تھی۔

"کیا بہت خوبصورت خواب دیکھا تھا۔" زویا نے سرسری انداز میں پوچھا تھا۔ مگر اسے —— لگا جیسے اسے کسی نے چوری کرتے وقت رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا ہو۔

Scanned with CamScanner

"نہیں تو۔" جازیہ بوکھلائی اور پٹپٹا کر اسی قدر بول پائی۔

"بہت مسکرا رہی تھیں میں بھی کوئی حسین سپنا دیکھ رہی ہو۔"

"ہاں خواب دیکھا تو تھا مگر ٹھیک سے یاد نہیں۔" اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"تائی امی کہتی ہیں جو خواب یاد نہیں رہیں ان کی تعبیر بہت جلد آتی ہے۔" زویا نے کہا تو جازیہ کے تصور میں وہ مسکراتے لب اور مضبوط ہاتھ آگیا۔ جسے وہ چاہنے کے باوجود بھول نہیں پا رہی تھی

جازیہ نے چونک کر اسے دیکھا مگر وہ دوا کھانے میں مصروف تھی۔ وہ مطمئن ہوگئی۔ گو کہ اس خواب میں کچھ نہ تھا۔ ادھورا ہی تھا مگر اک انمٹ نقش کی طرح دل و دماغ پر چھا گیا تھا۔ خاص کر وہ مہرباں مسکراہٹ ناقابلِ فراموش تھی۔ زویا کے برتن پٹخنے کی آواز پر وہ خیالات کی دنیا سے باہر آ گئی۔

"ارے زویا تم چھوڑو میں سب کر لوں گی تم اب جا کر آرام کرو۔"

"تم اگر ایسے کھوئے کھوئے دماغ سے کام کرو گی تو مجھے یقین ہے کہ آج کوئی نہ کوئی برتن ضرور شہید ہوگا۔" زویا اس کی ذہنی کیفیت بھانپ گئی تھی اس لیے کچھ شوخ اور معنی خیز انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں ڈیئر۔ ایسے ہی نیند پوری نہیں ہوئی اس لیے دماغ سویا سویا ہو رہا ہے۔" اس نے اس کا شوخ لہجہ نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"سویا سویا یا کھویا کھویا۔" زویا نے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔

"مار کھاؤ گی اب۔" وہ اس کا مطلب سمجھتے ہوئے مکا دکھا کر بولی تو زویا ہنستی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اسے آرام کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

سارا دن وہ کھوئی کھوئی سی رہی۔ جازب اور مہ جبین بیگم تو شاپنگ کرنے چلے گئے تھے اور وہ زویا کی وجہ سے نہ جا سکی۔ زویا کا بخار اور تیز ہو گیا تھا۔ وہ تو دوا کھا کر سو رہی تھی۔ مہ جبین اس کی وجہ سے جانا تو نہیں چاہ رہی تھیں مگر جازیہ نے انہیں مطمئن کر دیا۔

جازب اور آصف خان ابھی تک آفس میں ہی تھے۔ جازیہ نہا کر باہر نکلی تو کافی فریش تھی۔ صبح کا خواب ابھی تک ذہن پر چھایا ہوا تھا۔ گھر میں خاموشی کا راج تھا۔ زویا تو سو رہی تھی۔ وہ بال سلجھا کر ڈرائنگ روم میں چلی آئی جازب نے جاتے جاتے کافی پھیلاوا کر دیا تھا۔

اس نے میگزین سمیٹ کر ریک میں رکھے اور کشن کو ان کی جگہ پر رکھا۔ کشن کا تو وہ ازلی دشمن تھا اسے ضرور بے جگہ کرتا۔

باقی تمام کمروں میں کوئی کام نہ تھا۔ وہ بور ہونے لگی۔ کچھ نہ سوجھا تو عازب کو فون ملایا جب تک فون نہ ملا اک عجیب سی بے چینی رہی۔

"ہیلو۔" دوسری طرف نسوانی آواز ابھری۔

"میں مس خان بول رہی ہوں۔ عازب خان سے بات کرا دیجئے۔"

"ذرا ہولڈ کیجئے۔" سیکرٹری بولی۔

"ہیلو گڑیا۔" تھوڑی دیر بعد عازب کی آواز ابھری تو اس کی ساری کوفت ختم ہو گئی۔

"بھیا آپ جلدی سے گھر آجائیے۔"

"کیوں خیریت۔"

"خیریت ہی ہے۔" وہ بیزاری سے بولی۔ "گھر میں کوئی بھی نہیں میں اکیلی بور ہو رہی ہوں۔"

"کیوں سب کہاں ہیں۔"

"امی اور جازب شاپنگ کے لیے گئے ہیں ابو آفس میں ہوں گے۔ اور زویا سو رہی ہے اسے بخار ہے۔"

"اوہ تو تم ڈر رہی ہو۔" وہ ہنسے۔

"نہیں تو۔ بس بور ہو رہی ہوں۔"

"گڑیا بور ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابو بس آتے ہی ہوں گے، ان کا فون آیا تھا۔ اور میں تو تھوڑا مصروف ہوں۔ ابو آئیں تو ان سے گپ شپ لگانا،

Scanned with CamScanner

میں بھی آ ہی جاؤں گا۔" انہوں نے اسے بہلایا۔
"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گی۔" اس نے کہا اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد ٹہلتی ہوئی لان میں آ گئی۔ اک عجیب سی بے چینی نے اس کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا جیسے کسی کا لاشعوری طور پر انتظار کر رہی ہو۔

"وہ کیوں اتنی کھوئی کھوئی اور گم صم ہو رہی ہے۔" یہی سوچتے سوچتے وہ موگرے کے پودے کے پاس آ گئی۔ مونگیا کرتے شلوار پر کالی کڑھائی کی ہوئی تھی اس کے — ریشمی سیاہ بال کھلے ہوئے تھے۔ وہ پھول توڑنے لگی۔

باہر گاڑی کے رکنے کی آواز آئی، اس نے دھیان نہ دیا دوسرے ہی لمحے کال بیل بجی۔

"حیات محمد۔" جازیہ نے چوکیدار کو آواز دی۔ مگر اس کا دور دور پتا نہ تھا۔

"کہاں چلا گیا۔" دوبارہ بیل بجی۔ "کیا کروں۔" وہ سوچ رہی تھی کہ دروازہ کھولے نہ کھولے۔ مہ جبین بیگم نے ویسے ہی منع کیا تھا۔ زویا اور اسے کہ وہ دروازے پر نہ جایا کریں۔ اکیلے پن کے خوف سے ویسے ہی ہمت نہ پڑ رہی تھی۔ اسی ادھیڑ بن میں وہ گیٹ تک پہنچی۔

چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ چوکیدار اب بھی موجود نہ تھا۔ بہرحال اس نے گیٹ کھول دیا۔ چوکیدار پر سخت غصہ آ رہا تھا۔

نگاہ کے سامنے جو کچھ تھا ناقابلِ یقین تھا۔ زمین نے جیسے اس کے پیر جکڑ لیے۔ وہی مسکراتی آنکھیں اور جگمگاتی مسکراہٹ۔ وہ اک ساعت میں پہچان گئی اسی تبسم نے تو اسے گم صم کر رکھا تھا۔ وہ آنے والے نووارد کو اک ٹک دیکھے گئی۔

"میں اندر آ سکتا ہوں۔" بھاری آواز میں مسکراہٹ نمایاں تھی۔ وہ چونک پڑی۔ اپنی محویت پر سخت غصہ آیا۔

"جی۔ جی آئیے۔" وہ راستے سے ہٹتے ہوئے بولی۔ کتنی بدتہذیبی کی تھی اس نے۔

وہ اندر آ گئے۔ جازیہ کی ہمت ہی نہ پڑ رہی تھی کہ کچھ پوچھے۔ وہ ششدر تھی۔ مگر اکیلے پن کا خیال آتے ہی وہ سارے خیالات جھٹک کر بولی۔

"آپ کو کس سے ملنا ہے؟" وہ ابھی تک حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ زویا کے کہنے کے مطابق خواب کی تعبیر تو واقعی سامنے تھی۔

"جی مجھے۔ آصف انکل سے ملنا ہے۔ میرا خیال ہے یہ انہی کا بنگلہ ہے۔" انہوں نے بوکھلائی ہوئی جازیہ پر اک نگاہ ڈالی۔

"جی ہاں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "آپ کا نام؟"

"عدیل کرمانی۔" سنجیدہ سے خوبصورت چہرے اور پرسنالٹی پر یہ نام خوب جچ رہا تھا۔

"آپ شہریار انکل کے بیٹے ہیں؟" خوشگوار احساس ہوا

"جی۔"

"آئیے۔ ابو تو آفس میں ہیں اس وقت تو گھر پر کوئی نہیں۔" وہ انہیں ڈرائینگ روم میں لے آئی۔

"آپ تو ہیں۔"

"جی۔" وہ چونک کر بولی۔ واقعی گھر پر وہ تھی تو مگر اس وقت تو ایسی حواس باختہ ہو رہی تھی کہ کیا بول رہی ہے کچھ پتا نہ تھا۔ "اوہ۔ آئی ایم سوری۔" وہ خفیف سی ہو گئی۔

"امی تو شاپنگ کرنے گئی ہیں۔ آپ تھوڑا انتظار کر لیں، میں ابھی آئی۔" اس کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک تھی۔ وہ یہ کہہ کر جلدی سے پلٹی اور جھپاک سے کمرے سے باہر آ گئی۔ عدیل کی آنکھیں جاتی ہوئی جازیہ کی لانبی زلفوں سے الجھ گئیں۔

کچن میں آ کر جلدی جلدی چائے بنائی اور — دوسرے لوازمات سمیت چائے ٹرالی میں رکھی اور ڈرائینگ روم میں آ گئی۔

"بندہ تو بہت ڈیسنٹ سا ہے۔" اس نے سوچا۔

عدیل ریک میں رکھی کتابوں کا سرسری جائزہ لے رہے تھے۔ وہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی اندر لے آئی۔ عدیل نے شاید آہٹ محسوس نہ کی لہٰذا مصروفِ عمل رہے۔

"چینی کتنی۔" جازی کے استفسار پر وہ چونک کر پلٹے۔

وہ کپ میں چائے انڈیل رہی تھی۔ اس کے

Scanned with CamScanner

"شکریہ۔" کمرے کے سکوت میں ان کی خوبصورت آواز گونجی۔ تھوڑی دیر تک رسمی باتیں ہوتی رہیں۔ اور جازیہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش میں مزید پریشان ہوگئی۔

کال بیل کی آواز پر اس کی جان میں جان آئی۔

"لیجئے امی اور جازب آگئے۔" وہ باہر کی طرف لپکی۔ چند ثانیے بعد ہی دونوں مسکراتے چہرے لیے اندر داخل ہوئے تو وہ احتراماً کھڑے ہوگئے۔

مہ جبین بیگم نے آگے بڑھ کر ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور جازب نے آگے بڑھ کر انہیں گلے لگا لیا۔ جازیہ تو شاپنگ کا سامان لے کر باہر چلی گئی۔

"خیریت بیٹے کیسے آنا ہوا؟" مہ جبین بیگم خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھیں۔

"کل 7 فری ہے گھر پر۔ آپ سب کو دعوت دینے آیا تھا۔ امی اور سارہ وغیرہ آنا چاہتی تھیں لیکن مصروفیت کی وجہ سے آنہ سکیں معذرت کر رہی تھیں۔"

"کوئی بات نہیں بیٹے۔ نئے گھر میں کام بھی تو بہت بڑھ جاتا ہے۔ بس شکایت ہے تم لوگوں سے کہ یہاں آکر نہ ٹھہرے۔ بعد میں ہم سب مل کر ڈیکوریٹ کر لیتے گھر کو۔" وہ پیار بھرے لہجے میں شکایت کر رہی تھیں جب کہ جازب خلافِ توقع خاموش تھا۔

"بینی آنٹی آپ تو جانتی ہیں سہیل کی عادات اوپر سے عمارہ بھی کچھ کم نہیں۔ پھر میں کل ہی چلا جاؤں گا۔ کچھ ضروری کام نمٹانا تھے لہٰذا سیدھے گھر شفٹ ہوگئے۔" انہوں نے وضاحت کی۔

"ابھی سے۔ ابھی اتنی جلدی کیا ہے۔" جازب حیرانی سے بول پڑا۔ "پھر آپ نے تو عازب بھائی سے ملاقات بھی نہیں کی، وہ سخت ناراض ہوں گے۔"

"میں عازب سے مل چکا ہوں ابھی اس کے آفس سے ہی آرہا ہوں تاکہ اسے بھی کوئی شکایت نہ رہے۔" عدیل ہلکے سے مسکرائے۔

"عدیل بیٹے ایک دو دن بعد چلے جاتے ایسی بھی کیا جلدی ہے۔"

"بینی آنٹی وہاں آفس ماتحتوں پر چھوڑ کر آیا ہوں ان کا کیا بھروسہ، غیر ذمہ داری کا ثبوت دینے میں دیر نہیں لگاتے، ویسے بھی میری غیر حاضری کی وجہ سے کئی ڈیلنگز رکی ہوئی ہیں۔ کافی حرج ہو گیا ہے کام کا۔" عدیل نے تفصیل بتائی تو مہ جبین بیگم نے تائید میں سر ہلا دیا۔

"اچھا اب چلتا ہوں۔" وہ کپ رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ارے ابھی کہاں۔ اپنے انکل سے تو مل لو۔ وہ بس آتے ہی ہوں گے۔" وہ انہیں روکنا چاہتی تھیں۔ اتنے سالوں بعد تو وہ آئے تھے۔ پھر بھلا کیسے کھانا کھائے بغیر جانے دیتیں۔

"پلیز بینی آنٹی۔ کچھ دن بعد سہی۔ میں اک آدھ ہفتے بعد آؤں گا۔ تو انکل سے ضرور مل لوں گا۔" عدیل رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے بولے۔

"کیا مطلب کل تم نہیں ہوگے۔" مہ جبین بیگم نے حیرانی سے پوچھا۔

"نہیں آنٹی کل صبح میری فلائٹ ہے، میں چلا جاؤں گا۔" وہ بولے۔

"پھر تو تمہیں انکل سے ضرور ملنا پڑے گا، پھر پتا نہیں آؤ کہ نہ آؤ۔ تمہارا کوئی بھروسہ ہے۔ —— پندرہ سالوں میں تم شاید پہلی بار آئے ہو۔" وہ پیار بھرے لہجے میں بولیں۔ انہیں شروع ہی سے کم گو اور سنجیدہ سے عدیل بہت اچھے لگتے تھے۔ عازب میں اور ان میں سرِ مو فرق نہ تھا لہٰذا دونوں کو وہ یکساں چاہتی تھیں۔

"ارے نہیں۔ بینی آنٹی، میں وعدہ کرتا ہوں ایک آدھ ہفتے بعد ضرور آؤں گا۔" وہ ہمیشہ مہ جبین بیگم کو منانے کے لیے انہیں کندھوں سے تھام لیا کرتے تھے۔

Scanned with CamScanner

ابھی بھی انہوں نے انہیں کندھوں سے پکڑ کر کہا۔
ان کی پرانی عادت پر مہ جبین بیگم نہال ہو گئیں اور ان کے ماتھے پہ بوسہ دے کر انھیں رخصت کیا۔

عدیل پانچ سال سے بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے لیے گئے ہوئے تھے۔ پھر وہیں ایم بی اے کیا اور ایبٹ آباد آکر بزنس شروع کیا۔ اللہ کی برکت اور محنت سے چند دنوں میں بزنس خوب جم گیا تھا اس لیے اسلام آباد آنا بہت مشکل تھا۔ ان کی اور عازب کی خوب بنتی تھی۔ دونوں نے ساتھ امریکہ سے ایم بی اے کیا تھا۔

ان کے جانے کے بعد جازیہ نے آکر ڈرائینگ روم سے ٹرالی نکالی اور رات کا کھانا بنانے کچن کی طرف چل دی۔

"السلام علیکم" جازیہ اور زویا نے سلام کیا تو عائشہ بیگم نے دونوں کو بازوؤں میں بھر لیا۔ خاص کر جازیہ تو ان کی پسندیدہ لڑکی تھی، گھریلو اور سادہ سی۔ گو کہ زویا بھی کسی سے کم نہ تھی مگر جازیہ میں اک عجیب سی انفرادیت تھی۔ جو اس کے سراپے میں چار چاند لگا دیتی۔

"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو" دونوں اندر چلی آئیں۔ عمارہ اور سارہ مستعدی سے کام میں لگی تھیں ان دونوں کو دیکھ کر بے انتہا خوشی سے ان کے گلے لگ گئیں۔

"السلام علیکم۔ بڑی دیر کر دی" عمارہ گلے لگتے لگتے بولی۔

"وعلیکم السلام۔ بس ذرا عازب بھائی نے دیر کر دی تھی" جازیہ نے جواز پیش کیا۔

"خیر دیر تو ہوئی اور اس کی سزا میں تمہیں ہمارے ساتھ کام کرانا ہوگا" عمارہ نے بے نیازی سے کہا۔ تو دونوں مسکرا دیں۔ وہ شروع سے ہی اتنی بے تکلف تھی۔ سارہ انھیں ساتھ والے کمرے میں لے گئی۔

انگوری کرتے اور سفید شلوار میں ملبوس جازیہ بے انتہا جاذب نظر لگ رہی تھی۔ ساتھ سفید دوپٹے کے گھیرے میں اس کے تیکھے نقوش بہت ہی بھلے لگ رہے تھے۔

وہ دونوں عمارہ سارہ کے ساتھ کام میں لگی ہوئی تھیں حالانکہ دونوں نے منع کیا کہ ہم ــــ نے تو یونہی مذاق کیا ہے مگر انھوں نے کسی کی نہ سنی۔

تھوڑی دیر بعد ہی کھانا لگوانا شروع کیا گیا۔ جازیہ نے تمام پلیٹس، چمچے ترتیب سے دسترخوان پر لگائے تو عمارہ انھیں دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"اللہ جازی تم نے کتنی خوبصورتی سے دسترخوان سیٹ کیا ہے۔ کیا ہوٹل مینیجمنٹ کا کورس کر رکھا ہے"

"ہاں" جازیہ نے کہا۔ عمارہ کسی کام سے وہاں سے اٹھ گئی۔ جازیہ خاموشی سے کچن میں بنی ہوئی سلاد کو پلیٹوں میں سجا کر دسترخوان پر سیٹ کرنے کے لیے باہر لے آئی۔

تمام کھانا اسی نے اکیلے ہی سیٹ کر لیا۔ وہ تینوں نجانے کہاں کیا کر رہی تھیں وہ کام کرنے کے ساتھ ساتھ چور نظروں سے دروازے کی طرف بھی دیکھ لیتی جیسے وہ غیر محسوس طریقے سے کسی کا انتظار کر رہی ہو۔

"واؤ جازی۔ تم نے سارا کھانا اکیلے ہی چن دیا منٹوں میں" عمارہ کام سے فارغ ہو کر آئی تو اپنے مخصوص انداز میں بولی۔ "بڑی سگھڑ ہو، ماما کو تمہاری جیسی لڑکیاں پسند ہیں اور تم تو خاص طور پر" وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

تھوڑی دیر میں مہمان خواتین کمرے میں آنا شروع ہو گئیں تو دونوں ان کو سرو کرنے لگیں۔ رات تک تمام مہمان چلے گئے تو سب لوگ کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ کئی سالوں بعد ملاقات ہوئی تھی۔ لہٰذا کھانے سے زیادہ باتوں کا زور تھا۔ اتنا شور و غل ہونے کے باوجود جازیہ خود کو تنہا تنہا محسوس کر رہی تھی۔

"کہاں گم ہو" زویا نے جازیہ کو گم صم دیکھا تو اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"اوں۔ کہیں بھی نہیں" وہ جیسے بیدار ہو گئی۔

"اتنی چپ چپ کیوں ہو، کھانا بھی کم کھا رہی ہو" اس کے برابر بیٹھی ہوئی عائشہ بیگم نے اس سے پوچھا تو وہ

Scanned with CamScanner

بوکھلا گئی۔

"جی۔ جی۔ میں تو بالکل ٹھیک ٹھاک کھا رہی ہوں۔"

جازیہ کی بوکھلاہٹ پر عائشہ بیگم نے مسکرا کر اس کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"تم میری سب سے پیاری بیٹی ہو۔ جلدی جلدی کھانا کھا لو، پھر اندر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" عائشہ بیگم کے لہجے میں مٹھاس اور آنکھوں میں انوکھا سا سپنا تھا۔ جازیہ ان کی بات پر مسکرا دی اور ان کے کندھے پر سر ٹکا دیا۔

"خیریت۔ یہ کیا ڈرامہ ہو رہا ہے۔" زویا نے شوخی بھرے لہجے میں جازیہ کے کان میں سرگوشی کی تو وہ گھور کر رہ گئی۔

کھانے کے بعد سب سامان اٹھا دیا گیا۔ جازیہ مستقل کام کر رہی تھی جب کہ عمارہ تھک کر بیٹھ گئی تھی اور ان تینوں کو ہدایتیں دے رہی تھی۔

"ماری کی بچی۔ اٹھو دیکھو زویا اور جازیہ مسلسل لگی ہوئی ہیں۔ زویا تو ویسے ہی بخار کی کمزوری لیے ہوئے ہے۔ اوپر سے اتنا کام کیا اس نے، پھر وہ ہمارے مہمان ہیں، تم ہو کہ بیٹھی ہوئی ہو۔" سارہ نے غصے میں عمارہ کو ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اٹھ رہی ہوں بابا۔ ساری کمر تختہ ہو گئی ہے کام کرتے کرتے۔ تھکن سے نڈھال ہو رہی ہوں۔ بھائی جان سے کہا تھا کہ دو نوکرانیوں کا انتظام کر دیجیے گا مگر انھوں نے تو اس بوڑھی جان کو ہمارے پلے باندھ دیا جو ایک پلیٹ دھو کر ایک گھنٹے کا وقفہ دیتی ہے اور موصوفہ کی ہدایتیں الگ سنو۔" عمارہ بری بری شکلیں بنا کر اس بوڑھی جان کو کوسنے لگی تو جازیہ دھیرے سے ہنس دی۔

تمام کاموں سے فارغ ہو کر وہ چاروں عائشہ اور مہ جبین بیگم کے ساتھ اوپر آ گئیں۔ جاذب اور سہیل تو باہر گھومنے چلے گئے تھے۔

آج سب یہیں رک رہے تھے۔ عمارہ اور سہیل نے بڑی ضد کر کے انہیں روکا تھا۔ عائشہ بیگم اور شہریار صاحب کے زور دینے سے انھیں رکنا ہی پڑا۔ مگر جاذب چلے گئے، کل انھیں ضروری کام تھا۔ ویسے بھی عدیل تو تھے نہیں وہ کس کی کمپنی جوائن کرتے۔

البتہ زویا اور جازیہ نے عمارہ اور سہیل سے وعدہ لے کر کہ وہ بھی ان کے ہاں ایک دن تو کم از کم ضرور رکیں گے تب وہاں رہنے کی حامی بھری۔

عائشہ بیگم بہت خوش تھیں۔ تمام رات رتجگا رہا۔ مسلسل باتیں ہو رہی تھیں۔ جازیہ کچھ تو کام اور کچھ بے نام انتظار سے تھک گئی تھی۔ اس لیے وہیں عائشہ بیگم کی گود میں سر رکھ کر سو گئی تھی۔

رات کے نجانے کون سے پہر سب ہی اٹھ کر جا چکے تھے۔ آخر میں مہ جبین بیگم بھی سونے کے لیے جانے لگیں۔ ان کے لیے گیسٹ روم ٹھیک کرا دیا تھا۔

"اچھا بھئی بہت نیند آ رہی ہے۔ اب میں بھی چلوں۔" مہ جبین اٹھتے ہوئے بولیں۔ "جازی اٹھو۔ شاباش گیسٹ روم میں چل کر لیٹو۔" انھوں نے تھپک کر جازیہ کو جگانا چاہا۔

"ارے نہیں رہنے دو، اسے میرے پاس ہی سونے دو۔" عائشہ بیگم جازیہ کو پیار بھری نظروں سے دیکھ کر بولیں۔

"تم تو شروع سے ہی اس کی دیوانی تھیں۔ اب اسے بھی اپنا دیوانہ بنایا ہے۔" وہ ہنس کر بولیں۔

"بیٹی تمہیں یاد ہے۔" وہ دوبارہ ہنس دیں۔

"تو پھر اسے میری امانت ہی سمجھنا۔ یہ میرے عدیل کی ہی دلہن بنے گی۔" عائشہ بیگم مسرت آمیز لہجے میں بولیں۔ تو مہ جبین بیگم خوش دلی سے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اچھا بھئی۔ شب بخیر۔" وہ یہ کہہ کر باہر نکل گئیں اور عائشہ بیگم نے گود میں رکھے جازیہ کے ماتھے کو چوم لیا۔ ان کی آنکھیں جازیہ کو عدیل کی دلہن کے روپ میں اپنے آنگن میں اترتا دیکھ رہی تھیں۔

ان دونوں سہیلیوں نے بہت پہلے ہی ایک دوسرے کو اس سلسلے میں زبان دے رکھی تھی۔ عائشہ بیگم اپنے ہر خط میں اس بات کی یاد دہانی کراتیں اور آج بھی انھوں نے اس بات کا ذکر کیا تو مہ جبین بیگم کے اقرار پر وہ سرشار ہو گئیں۔ تمام رات وہ

Scanned with CamScanner

ست رنگ خواب بنتی رہیں۔ اور پھر نجانے کب ان کی آنکھ لگ گئی۔

فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی مگر کوئی اٹھا ہی نہیں رہا تھا۔ جازیہ نے نماز ختم کرتے ہی لونگ روم کا رخ کیا۔

لاؤنج میں مہ جبین بیگم اور زویا نماز پڑھنے میں مصروف تھیں۔ البتہ جازب فون سے تھوڑے فاصلے پر واک مین کان میں لگائے کامکس پڑھنے میں مگن تھا۔ آنکھوں اور دماغ کے مسلسل استعمال کے ساتھ دانتوں کو بھی چیونگم چبانے کی سزا دی جا رہی تھی۔ اردگرد کیسٹس اور کامکس کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ مگر فون کی گھنٹی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ کمرے کا حال دیکھ کر جازیہ کا ٹیمپریچر ہو گیا۔ مگر اس سے پہلے وہ کچھ کہتی فون کی گھنٹی نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا لی۔ وہ ریسیور اٹھا کر غصے پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

"ہیلو۔"

"ہیلو۔"

"مجھے عدیل کہتے ہیں اور بینی آنٹی سے بات کرنا ہے۔"

"اوہ۔ السلام علیکم۔" جازیہ کے منہ سے بے اختیار "اوہ" نکلا۔

"وعلیکم السلام۔" جواب ملا۔

"امی تو نماز پڑھ رہی ہیں، کوئی خاص کام ہو تو بتا دیجئے۔" جازیہ اپنے شوریدہ جذبوں پر قابو پاتے ہوئے بولی جو عدیل کی آواز سن کر اس کے دل کو اتھل پتھل کر رہے تھے۔

"جازیہ۔ ماما نے کہا تھا کہ آپ لوگوں کو فون پر انفارم کر دوں کہ ہم لوگ کل آ رہے ہیں۔ غالباً آنٹی نے فون پر معلوم کیا تھا۔ ان کو بتا دیجئے گا۔"

"جی اچھا۔ انکل آنٹی کو سلام کہیے گا اور ساتھ۔ وعلیکم بھی۔" وہ مسکرائی۔

"اوکے۔" دوسری طرف سے مختصر جواب ملا۔

"تو پھر ٹھیک ہے ہم کل آپ سب کا انتظار کریں گے۔ انکل کو بھی ضرور لائیے گا۔ کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔"

"انشاء اللہ پوری فیملی آئے گی، آپ اطمینان رکھیے۔ آنٹی کو سلام کہیے گا۔ خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔" جازیہ کتنی دیر ریسیور تھامے یونہی کھڑی رہی اور نجانے کتنی دیر یہی کھڑی رہتی اگر جازب کی آواز اسے دنیا میں واپس نہ لے آتی۔

"کس کا فون تھا؟"

"ہوں۔" وہ چونکی اور بری سی شکل بنا کر اسے دیکھا۔ "گلا کم پھاڑا کرو۔ کان میں سائیں سائیں ہونے لگی ہے۔" وہ اپنے کان سہلانے لگی۔

"محترمہ اتنی حسین آواز آپ کو کہیں نہیں ملے گی۔" اس نے اپنے کالرز کھڑے کھڑائے۔

"اللہ رے خوش فہمیاں۔" اس نے چڑایا۔ "اور یہ پھیلاوا کیوں کیا ہے۔"

"اوہ اللہ کا بہت بہت شکر ہے۔" جازب نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"کیوں خیریت۔ اس ذکر و شکر الٰہی کا کیا مطلب۔" جازیہ تیکھے لہجے میں بولی۔

"اس کی وجہ یہ ہے ڈیئر سسٹر کہ تم آئیں مگر اس پھیلاوے کے بارے میں کچھ نہ پوچھا، میں بڑا حیران پریشان تھا۔ کچھ تمہاری دماغی حالت پر شبہ ہوا مگر شکر ہے تم اپنے آپ میں واپس آ گئیں۔" اس کی شریر آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

"جازب کے بچے۔" وہ اسے مارنے دوڑی مگر مہ جبین بیگم کو آتا دیکھ کر رک گئی اور ان کے پوچھنے پر فون کی تفصیل بتا دی۔

"ٹھیک ہے تم کل کچھ اچھی اچھی ڈشز تیار کر لینا۔ اور شام کی چائے کا بھی اہتمام کر لینا۔" مہ جبین مسکرا دیں۔ اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

جازیہ کو تو جیسے من کی مراد مل گئی۔ اس کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ تھا۔ لاؤنج کو ٹھیک کر کے زویا کے پاس آ گئی۔

شام کو آصف صاحب نے بتایا کہ عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد آ گئے ہیں، اس لیے شہریار

Scanned with CamScanner

نے یہاں آنے کا پروگرام بنا لیا ہے۔"

عدیل کے نام پر جازیہ کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔ رات کو بستر پر لیٹ کر اس نے آنکھیں موندیں تو عدیل کا وجیہہ اور فسوں خیز سراپا سامنے آ گیا اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔

"یا وحشت۔ آخر میں کیوں ان کے بارے میں سوچتی ہوں۔" وہ اپنے آپ سے سوال کر رہی تھی مگر دل کے مسحور کن اور انوکھے جواب پر چونک اٹھی۔

"مگر معاملہ یک طرفہ ہے اس لیے کچھ کہا نہیں جا سکتا ویسے بھی بندہ بہت سنجیدہ اور ان سب خرافات سے دور نظر آتا ہے۔" دماغ نے تاویل پیش کی اور دل و دماغ کی جنگ عروج پر پہنچ گئی۔ دل کی بات ماننے کو وہ ہرگز تیار نہ تھی۔

اپنے دل میں چھپے ہنگاموں سے تنگ آ کر اس نے اٹھ کر لائٹ کھول دی اور آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی "کس چیز کی کمی تھی اس میں۔"

لانبے سیاہ ریشمی بال

کھلتی ہوئی رنگت۔

بادامی سیاہ آنکھیں، یاقوتی لب۔ گلابی رخسار، ستواں ناک۔ ملائم سڈول بانہیں، لانبا قد اور نازک دلکش سراپا۔ اس کے علاوہ ذہین دماغ اور محبت سے لبریز عدیل کے نام پر دھڑکنے والا دل جس میں ارمانوں اور امنگوں کا سمندر موجزن تھا۔ کسی بھی چیز کی کمی تو نہ تھی۔ پھر سلیقہ اور اخلاق اس کے وہ اوصاف تھے جنہوں نے سونے پر سہاگہ کر دیا تھا۔ اور اسے مزید دلکش بنا دیا تھا۔

کافی دیر تک وہ یونہی اپنا جائزہ لیتی رہی پھر اپنی بے اختیار۔ لاحاصل سوچوں۔ اور خواہشوں کو جھٹکتی ہوئی بستر پر واپس آ گئی۔ اور سونے کی کوشش کرنے لگی مگر نیند اس کی کالی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور ایک ہی سوچ تھی اور وہ تھی محبت بھری سوچ۔ وہ محبت جو اسے انجانے میں عدیل سے ہو گئی تھی۔ اور آخر اس نے دل کی اس بات کو تسلیم کر لیا کہ جو جذبہ اس کے معصوم دل میں پرورش پا رہا ہے۔ وہ محبت ہی ہے مگر یہ بات اس کو سب سے چھپانا تھی

لاکھ وہ بولڈ سہی مگر تھی تو لڑکی پھر فطری شرم اور آنے والے دنوں کے اندیشوں نے اس کی زبان پر تالے ڈال دیے تھے۔ مگر دل نے ایک ہی آرزو کی تھی اور وہ اس پر اٹل تھا۔ اور جازیہ نے دل کے فیصلے پر ——— ہار مان لی تھی۔ کب تک وہ اپنے دل کو اپنے جذبات کو جھٹلاتی۔

مگر ہونا تو وہ ہی تھا جو منظور خدا تھا۔ پھر والدین کی مرضی کے بغیر تو اس نے کبھی اپنے لیے کپڑے تک پسند نہ کیے تھے۔ کجا کہ جیون ساتھی جس کے چناؤ اور انتخاب کا حق و اختیار صرف والدین کو تھا اور یہ اختیار انہیں جازیہ ہی نہیں بلکہ تمام اولادوں کی سعادت مندی نے دیا تھا۔

یہی حال عدیل کا تھا۔ وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کی والدہ نے ان کے لیے جازیہ نامی ہیرا پسند کر لیا ہے۔ ——— اور عائشہ بیگم کو یقین تھا کہ وہ انکار نہیں کریں گے اور کر ہی نہیں سکتے آخر انکار کی بھی تو کوئی وجہ ہو۔ وہ اپنی جگہ بالکل مطمئن تھیں۔

جازیہ کے دلکش سراپے اور معصوم چہرے سے انہیں والہانہ محبت تھی۔ پھر وہ تھی بھی اس قابل کہ اس سے محبت کی جائے اور سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ وہ عدیل کی ماں، عائشہ بیگم کا انتخاب تھی۔

عائشہ بیگم جس طرح جازیہ پر جان چھڑکتیں اسی طرح مہ جبین بیگم بھی عدیل کو چاہتی تھیں گو کہ کبھی انہوں نے اس نکتہ نگاہ سے انھیں نہ دیکھا مگر بار بار عائشہ بیگم کے اصرار نے عدیل کو اور بھی عزیز بنا دیا تھا۔

دونوں کے شوہروں نے بھی پوری طرح رضامندی دے دی تھی۔ بس آمنے سامنے بیٹھ کر بات طے کرنا رہ گیا تھا۔

غرض دونوں طرف سے خوب جوش و ولولہ تھا۔ اور دلی خواہش کارفرما تھی۔ مگر عدیل اور جازیہ ان سب باتوں سے بے خبر تھے۔ وہ اپنے کام میں مصروف تھے

دوسرے روز جازیہ صبح ہی صبح نہا کر تیار ہو گئی رات کے خوابوں اور تصورات سے مضمحل بھی اور

Scanned with CamScanner

تھوڑی تھوڑی تر و تازہ بھی تھی۔ مسکراہٹ اس کے چہرے اور آنکھوں سے عیاں تھی۔

اِدھر اُدھر کے تمام کام نمٹا کر اس نے کچن کا رخ کیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ اور زویا دوپہر کا کھانا تیار کرنے لگیں۔ دوپہر کا کھانا کھا کر رات اور شام کے کھانے کی تیاری شروع کر دی۔ آج جازیہ نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر نہایت مزیدار کھانا تیار کیا۔ مہ جبین بیگم نے بھی تیاری میں ان کا ساتھ دیا اور کچھ ہدایات دے کر چلی گئیں۔

کام ختم کر کے جب وہ کمرے میں آئیں تو ساڑھے تین بج رہے تھے۔ لہٰذا فوراً نہا دھو کر تیار ہو گئیں۔ زویا نے جامنی پرنٹڈ سوٹ پہنا اور جلدی جلدی تیار ہو گئی۔ البتہ جازیہ ـــــ کشمیری کڑھائی کے کالے کرتے شلوار میں بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔ اس پر پشت پر پھیلی سادی سی لانبی چٹیا الگ بہار دکھا رہی تھی۔

کچھ تو وہ خوبصورت تھی ہی اور کچھ خوشی اور مسرت کے جذبوں نے مل کر مزید حسین بنا دیا تھا۔ میک اپ سے بے نیاز دھلا دھلا چہرہ تصورِ جاناں سے کسی گلاب کی طرح کھل اٹھا تھا۔

ویسے بھی آج جاذب سے کوئی خاص چھڑپ نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے بھی موڈ خوشگوار تھا اور اگر ہوتی بھی تو وہ ان کے آنے کی خوشی میں اسے معاف کر دیتی

شام تقریباً سوا چار بجے باہر ہارن سنائی دیا۔ جازیہ نے فوراً دروازہ کھولا۔ آصف صاحب اور عازب کی گاڑیاں ساتھ داخل ہوئیں اور کچھ دیر بعد ہی عدیل کرمانی اور شہریار کرمانی اپنی اپنی گاڑیوں سمیت اندر آ گئے۔ سب ہی آئے تھے۔ تھوڑی دیر میں قہقہوں سے ڈرائنگ روم گونج اٹھا۔ جازیہ اور زویا دونوں بہنوں کو لے کر باہر آ گئیں اور میز سیٹ کرنے لگیں۔ اور ہمیشہ کی باتونی عمارہ کام کم اور باتیں زیادہ کر رہی تھی۔ اسکول سے لے کر کالج تک کی تمام ہسٹری سنا ڈالی تھی اور الٹے سیدھے لطیفوں سے ہنسا ہنسا کر ان کا برا حال کر دیا تھا۔

ڈائننگ ٹیبل سیٹ کرنے کے بعد سب ہی۔ چائے پینے باہر آ گئے۔ شہریار اور آصف صاحب دیرینہ دوست تھے۔ اس لیے کوئی تکلف نہ تھا۔ دونوں نے سادہ طبیعت پائی تھی۔ یہی حال ان کی اولاد کا تھا، بے وجہ کی مروت اور بناوٹ سے پاک اور پرخلوص دل تھے۔

اسی لیے سب ہی کی خاصی گاڑھی چھنتی۔ مسکراہٹیں چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں۔ نوجوان پارٹی میں جازیہ سہیل اور عمارہ کی شوخیاں مزا پیدا کر رہی تھیں جب کہ عائشہ بیگم اور مہ جبین بیگم گھریلو معاملات کے بارے میں بحث و مباحثے میں مصروف تھیں کہ بے اختیار۔ عائشہ بیگم نے اشارے سے مہ جبین بیگم کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ جہاں عدیل کے برابر کھڑی جازیہ کسی بات پر ہنس رہی تھی۔ گو کہ وہ عدیل کو کسی بات کا مسکرا کر جواب دے رہی تھی۔ اور عدیل کے برابر کھڑی بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"کتنی اچھی جوڑی ہے دونوں کی۔" عائشہ شہد آگیں لہجے میں بولیں۔

"ہاں واقعی۔ بڑی پیاری جوڑی ہو گی دونوں کی ماشاء اللہ۔" مہ جبین بیگم نے دل سے تائید کی۔ اور آنکھوں ہی آنکھوں میں بلائیں لے ڈالیں۔ ویسے بھی اس میں شک کیا تھا۔ جازیہ کی خوبصورتی اور عدیل کی وجاہت مل جاتی تو چاند سورج کی جوڑی ہوتی

"میری تو دلی خواہش ہے۔ تمہیں پتا ہے، میں بہت پہلے ہی جازی کو اپنی امانت قرار دے چکی ہوں۔" عائشہ بیگم کے لہجے میں پیار ہی پیار بول رہا تھا۔

"ہاں ہاں مجھے پتا ہے۔ تم تو ہو ہی ہمیشہ کی ضدی۔" مہ جبین بیگم ہنستے ہوئے بولیں۔

"تو پھر جلد ہی آصف بھائی سے بات کرو۔" وہ جلدی سے بولیں۔

"میں تو بہت پہلے تمہارے کہنے پر بات کر چکی ہوں۔" انھوں نے اطلاع دی۔

"تو پھر کیا جواب دیا بھائی جان نے۔" عائشہ بیگم بے اختیار پوچھ بیٹھیں۔

"بھئی وہ کہتے ہیں اس رشتے میں برائی کوئی نہیں مگر۔" مہ جبین شوخی سے مسکرائیں اور جان بوجھ کر وقفہ دیا۔

Scanned with CamScanner

"مگر کیا؟" عائشہ اس نگر سے متفکر ہوئیں۔

"مگر۔" انہوں نے پھر بات بیچ میں چھوڑ دی

"مگر وہ کہتے ہیں کہ آپ لوگ لڑکے والے ہیں طریقے سے آکر بات کریں۔ اس طرح تو کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔" مہ جبین اب کھل کر مسکرائیں۔

"اوہ۔ شکر ہے خدایا۔ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔" عائشہ بھی خوش ہو کر بولیں۔ "بس ہم ایک ہفتے کے اندر اندر مٹھائی لا رہے ہیں۔ ویسے بھی عدیل ابھی یہیں ہیں۔ منگنی کی رسم سادگی سے کر دیں گے۔ اور بعد میں شادی....."

"بس بس بس بھئی۔" مہ جبین بے تحاشہ ہنس دیں "باقی باتیں بعد میں۔ تم تو ایسے معاملات طے کر رہی ہو جیسے گڑیا گڈے کا بیاہ ہو۔ کہیں شیخ چلی کے انڈوں والا حساب نہ ہو جائے۔"

"اللہ نہ کرے۔" وہ ہول گئیں۔ "انشاء اللہ ہم جلد ہی آئیں گے۔"

"ہم انتظار کریں گے۔" مہ جبین اسی طرح بولیں۔ تو دونوں ہی ہنس پڑیں۔

کھانے پر بڑا ہلہ گلہ رہا۔ سب نے ہی زویا اور جازیہ کے ہاتھ کے بنے کھانوں کی دل کھول کر تعریف کی سوائے جازب کے۔ جازیہ نے ایک دو بار ہمت کر کے عدیل کی طرف دیکھا مگر وہ جازب سے باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ اس نے خاموشی سے نگاہیں جھکا لیں۔

کھانے کے دوران عدیل نے سامنے بیٹھی خاموش کھانا کم اور زیادہ سوچتی ہوئی جازیہ پر بھرپور نظر ڈالی اور پھر کھانے میں مصروف ہو گئے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد کچن کا کام ختم کر کے دونوں — اپنے کمرے میں جانے کے بجائے ٹیرس پر ٹہلنے نکل آئیں زویا تو بیٹھ گئی مگر جازیہ ٹہلتی رہی۔

"جازی۔" زویا نے سامنے ٹہلتی ہوئی جازیہ کو پکارا

"ہوں۔"

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں۔" گھبراہٹ اس کی آواز سے ظاہر ہو رہی تھی۔

"کیا بات ہے۔ کچھ پریشان ہو آج کل۔" زویا نے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔

"نہیں تو ایسی تو کوئی بات نہیں۔ آئی ایم کوائٹ ہیپی۔" جازیہ نے نگاہیں چرا کر کہا۔

"آر یو شیور۔" زویا نے بے یقینی کی کیفیت میں پوچھا

"POSITIVE" جازیہ کی آنکھیں اور چہرہ اس کے الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

زویا نے قریب آکر اس کا چہرہ اپنی طرف پھیر لیا۔

"ڈیئر کزن اینڈ سسٹر اِن لاء۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے THERE IS SOME THING WRONG DEAR۔" زویا بولی۔ "کبھی کبھی بے انتہا پریشان لگنے لگتی ہو۔ تو کبھی بات بے بات، وجہ بے وجہ مسکراتی رہتی ہو۔ کہیں کچھ عشق وشق کے چکر میں تو نہیں پڑ گئیں۔" وہ شوخ لہجے میں بولی۔ جازیہ کی تو آدھی جان نکل گئی مگر اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے وہ اسے مارنے دوڑی۔

"زویا کی بچی پٹو گی۔ خبردار جو اول فول بکا تو۔" وہ مسکراہٹ چھپا کر مصنوعی زبردست غصیلے لہجے میں بولی

"مائی ڈیئر کزن۔ میں بک نہیں رہی فرما رہی ہوں (IT IS FACT) یہ حقیقت ہے۔" وہ یہ کہہ کر تیزی سے اپنے کمرے میں گھس گئی مبادا کہیں — جازیہ کے ہاتھوں پٹ نہ جائے۔

زویا کی اس بات پر وہ بے اختیار اور بے تحاشا مسکرا دی۔ ویسے اس نے کچھ غلط تو نہیں کہا تھا۔ آخر کو وہ دونوں بچپن سے ساتھ رہی تھیں۔ ایک دوسرے کے چہرے سے ہی دل کی بات کا اندازہ لگا لیتی تھیں۔

پھر یہ تو وہ جذبہ تھا جو چھپائے نہ چھپے۔ بقول — کسی کہ عشق اور مشک چھپتے نہیں۔ پھر زویا کیسے — بے خبر رہتی۔

جازیہ اپنے آپ کو ملامت کرتی اپنے کمرے میں آ گئی۔ کہ اگر یہی حال رہا تو سب ہی اس کے دل کا حال جان لیں گے اور سب کی چھیڑ چھاڑ کا تصور کر کے ہی وہ گھبرا گئی اور تو اور وہ جازب تو اسے رلا کر ہی چھوڑے گا۔

Scanned with CamScanner

یہ تصور پیارا بھی تھا۔ اور خوفزدہ کرنے والا بھی تھا اور یونہی سوچتے سوچتے وہ سو گئی۔

رات مہ جبین بیگم نے آصف صاحب سے عدیل کے سلسلے میں بات کی تو وہ بولے "میرے لیے اس سے بڑی خوشی کیا ہو گی۔ کہ ہماری دوستی رشتہ داری میں تبدیل ہو جائے۔ پھر عدیل بہت شریف، ہونہار اور سعادت مند ہے۔ جازیہ کو ہمیشہ خوش رکھے گا۔ میری خواہش ہے کہ جازیہ جہاں رہے خوش رہے۔ پھر عدیل سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے۔" آصف صاحب دل کی بات کہہ رہے تھے۔

"تو ٹھیک ہے اگلے ہفتے وہ لوگ آ رہے ہیں ہم ہاں کر دیتے ہیں۔"

"ہوں۔ اگلے ہفتے وہ لوگ آ رہے ہیں۔" آصف صاحب کچھ سوچتے ہوئے بولے "تو پھر صحیح ہے ہم ہاں کر دیتے ہیں۔ خدا بہتر کرے گا۔"

"اگر آپ کچھ معلوم کرنا چاہیں تو کر لیں۔" مہ جبین بیگم نے مسکرا کر کہا۔

"کیسی معلومات۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ شہریار کا بیٹا ہے۔" آصف صاحب فخریہ لہجے میں بولے "البتہ آپ جازیہ سے پوچھ لیں مبادا اسے انکار نہ ہو۔ ویسے بھی یہ اس کا قانونی اور شرعی حق ہے۔"

"ہاں کل میں زویا کے ذریعے جازیہ کا عندیہ لوں گی۔ بس مجھے تو آپ کی اور عائشہ کو شہریار بھائی کی رضامندی چاہیے تھی۔ ورنہ ہم تو بہت پہلے سے تیار تھے۔" انھوں نے بتایا۔

"اچھا تو ہم سے چوری چوری۔۔۔" وہ مسکرائے۔

"چوری چوری کیوں۔ کیا یہ ہمارا حق نہیں۔" وہ تھوڑا ناراض ہوتے ہوئے بولیں۔

"ارے نہیں بابا۔ میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا تھا۔" انہوں نے کہا تو دونوں مسکرا دیے۔

ادھر عائشہ بیگم نے شہریار صاحب کی رضامندی معلوم کر کے اگلے ہفتے جمعہ کا دن مقرر کر لیا۔

دوسرے دن جازیہ اور زویا عاطف خان کو خط لکھ رہی تھیں۔ جازیہ نے خط مکمل کر لیا تو خط زویا کو دے کر باہر آ گئی تاکہ وہ یکسوئی سے خط لکھ سکے۔ کمرے سے نکل کر وہ جازب کے کمرے میں چلی آئی۔ اس کی کتابیں سمیٹ کر رکھنے لگی تو وہیں ایک کامکس پسند آ گئی۔ اور اسے اٹھا کر لونگ روم میں چلی آئی اور وہیں بیٹھ کر پڑھنے لگی۔

زویا نے خط ختم ہی کیا تھا کہ مہ جبین بیگم کمرے میں داخل ہوئیں تو زویا انھیں دیکھ کر تعظیماً کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھو بیٹھو زویا۔" وہ ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے بولیں۔

"جی امی۔" وہ زیادہ تر انہیں امی ہی کہتی کیونکہ وہ نہ صرف اس کی خالہ اور تائی تھیں بلکہ ماں بھی تھیں۔ تین ماہ کی عمر سے وہ ان کے پاس تھی۔ ان کی اکلوتی بہن کی اکلوتی نشانی۔ مہ جبین بیگم نے اسے بڑے پیار سے پالا تھا۔

جس طرح کبھی جازب اور عازب میں فرق نہ کیا تھا اسی طرح جازیہ اور زویا میں سے کسی کو فوقیت نہ دی تھی۔ بلکہ کبھی کبھی تو وہ جازیہ کے مقابلے میں زویا کو اہمیت دیتی تھیں مگر جازیہ نے کبھی برا نہ مانا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ زویا کو ہر قسم کے کامپلیکس سے اسی طرح دور رکھا جا سکتا ہے کہ اسے اس کی والدہ کی کمی محسوس نہ ہونے دی جائے اور اسے اس بات کا احساس دلایا جائے کہ وہ بھی اسی گھر کا فرد ہے اور اس کی اہمیت کسی سے بھی کم نہیں۔

وہ بذاتِ خود زویا سے اسی قدر محبت کرتی تھی جس قدر عازب اور جازب سے کرتی تھی۔ عازب کا رویہ بھی ہمیشہ بڑے بھائیوں جیسا ہوتا اور کسی موقع پر وہ اسے اس بات کا احساس نہ ہونے دیتے کہ جازیہ اور اس میں کچھ فرق ہے۔

جب جازب کی منگنی کا ذکر نکلا تو جازیہ اور عازب کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا جب کہ جازب نے مصنوعی غصے کا اظہار کیا کہ اس کی منگنی بعد میں ہو پہلے جازیہ اور عازب کے فرض سے سبکدوش ہوا جائے مگر عاطف صاحب باہر سیٹل ہو رہے تھے اسی لیے منگنی کر دی گئی۔ جازب خود زویا کو بہت پسند کرتا تھا۔ خاموش خاموش اور دھیرے سے مسکراتی زویا اسے بچپن سے اچھی لگتی تھی کیونکہ وہ جازیہ کی

Scanned with CamScanner

طرح لڑتی جھگڑتی نہ تھی۔ ویسے تو جازیہ اور اس کی لڑائیاں ان کے پیار کی علامت تھیں مگر پھر بھی فرق تو تھا۔

مہ جبین بیگم نے زویا کی ماں بن کر جازب سے اس کی منگنی کی۔ اس وقت جازب کی طرف سے صرف آصف اور عاطف خان نے شرکت کی باقی سب زویا کی طرف سے شرکت کر رہے تھے اور جازب کو خوب خوب چڑا رہے تھے۔

بعض اوقات مہ جبین بیگم اور آصف صاحب۔ جازب کو چڑانے کے لیے کہتے کہ زویا ان کی بیٹی ہے۔ اور جازب داماد ہے تو وہ کئی کئی گھنٹوں منہ پھلائے پھرتا۔ مگر دل سے کبھی اس نے بھی برا نہ مانا تھا۔ یہ سب اسی محبت کا اثر تھا۔ جو مہ جبین بیگم کی تربیت اور آصف صاحب کے انصاف پسند رویہ نے ان کے دلوں میں بھر دی تھی۔

اس وقت بھی وہ زویا سے جازیہ کی شادی کی بات کرنے آئی تھیں۔ وہ ان کی بہو تھی ہونے والی ہی اور صرف بہو ہی نہیں بلکہ من پسند بہو تھی۔

"زویا مجھے تم سے ایک بات کرنا ہے، تم دھیان سے سنو۔"

"جی امی۔ آپ کہیے۔ میں ہمہ تن گوش ہوں۔" وہ دھیرے سے مسکرائی۔

"زویا۔ ہم لوگ جازیہ کا رشتہ طے کر رہے ہیں۔"

"کیا واقعی۔" وہ خوشی سے چیخ پڑی۔

"ہاں بابا۔" مہ جبین اسے خوش دیکھ کر مسکرائیں۔

"مگر کس سے؟"

"عدیل سے۔ عائشہ کے بیٹے عدیل سے۔"

"عدیل بھائی سے۔" وہ مسکرائی اور خیالوں ہی میں ان کی جوڑی کا تصور کرنے لگی۔ "بڑی پیاری جوڑی ہوگی امی۔"

"ہاں واقعی۔ جوڑی تو ماشاءاللہ بے مثل ہوگی۔ بس تمہیں جازیہ کا عندیہ لینا ہے۔ ویسے بھی تم دونوں ایک دوسرے سے بے تکلف ہو اور گہری رازداں بھی۔ گو کہ نند بھاوج کا رشتہ ہے مگر روایتی سا نہیں۔" انہوں نے محبت پاش لہجے میں کہا تو وہ شرما گئی۔

"جی۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

"تم اس سے آج ہی معلوم کر لو کیونکہ اگلے ہفتے وہ لوگ باقاعدہ رشتہ لا رہے ہیں اور ہمیں جواب بھی اسی وقت دینا ہے۔ اب جازیہ کی شادی کر کے جازب کے لیے لڑکی تلاش کرنی ہے۔ پھر دونوں بھائیوں کی شادیاں ساتھ کر دوں گی۔ تمہیں بھی کب تک اس طرح چھپا رکھوں گی۔" وہ مستقبل کے منصوبے بنا رہی تھیں۔

شادی والی بات سن کر زویا کی گردن جھک گئی اور شرم سے چہرہ سرخ ہو گیا۔ مہ جبین بیگم نے اس کو ایک نظر دیکھا تو مسکرا کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

"وہی۔ شرمیلی کی شرمیلی۔" انھوں نے کہا اور کمرے سے باہر آ گئیں۔ مگر زویا کو ایک خاص کام سونپ گئیں۔

زویا نے خدا سے دعا کی کہ وہ اس کو اس کام میں کامیابی عطا کرے۔ اور جازیہ مان لے اور ہاں کر دے۔

وہ جازیہ کو ڈھونڈتی ہوئی لونگ روم میں پہنچی تو وہ کامکس پڑھ رہی تھی۔ زویا اس کے قریب جا کر خاموشی سے کھڑی ہو گئی۔ جازیہ نے نظر اٹھا کر دیکھا۔

"خیریت بھابی جان اتنی سنجیدہ کیوں ہو رہی ہیں۔" مسکراتے لبوں سے جملہ ادا کیا۔ زویا کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی نے اسے یہ کہنے پر مجبور کر دیا۔

"میں تو ہوں ہی سنجیدہ مگر تمہیں کب سے کامکس پڑھنے کا شوق ہو گیا ہے۔" وہ سامنے ایزی چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"جب سے آپ کے شوہر نامدار کے کمرے کی صفائی کی ہے۔" جازیہ نے چھیڑا۔ بہت ہی زیادہ موڈ میں ہوتی تو وہ زویا سے اسی قسم کی گفتگو کرتی۔

"بہت ہی اچھا موڈ ہے نند صاحبہ کا۔"

"تم بگاڑ دو۔" وہ اسی طرح بولی۔

"اچھا خالتو باتیں بند کرو، مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔" زویا نے ـــــ قطعی اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"خیریت ایسی بھی کیا بات ہے۔" اس نے کامکس ایک طرف رکھ کر کشن گود میں رکھ لیا اور ہمہ تن گوش

Scanned with CamScanner

ہو گئی۔

"کہو میں سن رہی ہوں۔" جازی دوبارہ بولی۔

"جازی۔"

"ہوں۔"

"دیکھو ایک نہ ایک دن تو لڑکی کو اپنا گھر چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔ اگر اس کا جیون ساتھی والدین کا انتخاب ہو تو یہ بات بہت اچھی ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے تجربے کی بنا پر اس کا انتخاب کرتے ہیں۔ پھر والدین سے بڑھ کر کون کسی کا خیر خواہ ہوتا ہے۔" زویا نے لمبی تمہید باندھی۔

"تو پھر۔ ان سب باتوں کا مقصد کیا ہے۔" جازیہ جھنجلا اٹھی۔

"دیکھو تمہارے لیے کئی رشتے آئے جنھیں امی ابو نے کسی نہ کسی وجہ ــــ کی بناء پر مسترد کر دیا۔ مگر اب ایک ایسا رشتہ آیا ہے کہ وہ ہر قیمت پر ہاں کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک تمہارے لیے اس سے بہتر کوئی رشتہ نہیں ہو سکتا۔" اس عرصے میں زویا پہلی بار مسکرائی۔

مگر جازیہ کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا اور عدیل کا دلکش سراپا نگاہوں کے سامنے ــــ گیا۔ وہ گم صم بن بیٹھی سب کچھ سنتی رہی۔

"تم پوچھو گی نہیں کہ وہ کون ہے جس کا انتخاب ہوا ہے۔" زویا نے جازیہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا مگر اس کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید ہو رہا تھا اور آنکھیں وحشت زدہ ہو رہی تھیں۔

"جازی۔ جازی کیا ہوا۔" زویا نے گھبرا کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"کچھ نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں۔" وہ زویا سے لپٹ گئی۔ "میں امی ابو کو نہیں چھوڑ سکتی زویا۔ تمہیں جازب اور جازب بھائی سب کو کیسے بھلاؤں گی۔ میں ابھی شادی نہ کروں گی۔" وہ ضدی لہجے میں کہہ گئی۔

"جازی محترمہ۔ آپ کوئی سولہ سال کی کمسن دوشیزہ نہیں ماشاء اللہ بائیس سال کی ذہین اور ہوشمند لڑکی ہیں۔ اس عمر میں آپ کی شادی ہو جانی چاہیے۔" زویا نے جازیہ کو خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ اور خاص بات یہ ہے موصوفہ کہ میرے ہونے والے نندوئی کے لیے۔" زویا نے جان بوجھ کر وقفہ دیا مگر جازیہ تو جیسے سن ہی نہیں رہی تھی۔ "جس حضرت کو نامزد کیا گیا ہے ان کا نام ہے عدیل کرمانی۔" زویا ہولے سے چیخی جیسے کسی کو ایوارڈ دینے اسٹیج پر بلا رہی ہے۔

"کیا۔" جازیہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

"ہاں۔ عدیل بھائی۔" زویا بولی۔ "کیا تمہیں پسند نہیں ہیں۔" زویا نے سہمے سہمے لہجے میں پوچھا۔

مگر وہ ــ تو گنگ تھی۔ نہ ہاں کیا نہ انکار کیا۔ زویا نے کندھا ہلایا تو اس نے اپنے سرخ ہوتے چہرے کو جھکا لیا۔ "گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل" والی حالت تھی۔

"بولو بھی۔ انکار کر دیا اقرار۔" زویا جان بوجھ کر تنگ کرنے لگی۔ اس کے سر سے جیسے منوں بوجھ اتر گیا۔ وہ جان گئی تھی۔ جازیہ کی حالت ہی اس کے سوال کا جواب تھی۔ مگر وہ اپنا بدلہ اب نہیں اتارتی تو کب اتارتی منگنی سے پہلے جازیہ نے ہی اس سے اقرار لیا تھا اور اس وقت اسے اتنا تنگ کیا تھا کہ وہ کمرہ ہی چھوڑ کر بھاگ گئی تھی اور پیچھے سے جازیہ اور جازب کا ملا جلا قہقہہ سنائی دیا تھا۔

مگر جازیہ نے سر جھکا لیا کچھ کہا نہیں۔ "اچھا اگر نہیں بولو گی۔ تو میں بھی تمہیں اتنا ہی تنگ کروں گی۔ جتنا تم نے مجھے کیا تھا۔" زویا مصنوعی غصے سے بولی تو جازی ہنس پڑی۔

"اب جاؤ یہاں سے۔" وہ شرمگیں مسکراہٹ لیے ہوئے بولی اور اسے ایزی چیئر سے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔

"میں تو نہیں جا رہی، البتہ آپ جانے کی تیاری کریں۔" زویا نے کہا۔

"زویا کی بچی۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں چلائی اور اسے حسب معمول مارنے دوڑی مگر سامنے سے آتی مہ جبین بیگم کو دیکھ کر بری طرح شرما کر ان کے گلے لگ گئی۔ اور ڈھیروں اطمینان ان کے اندر اتر گیا۔ ان کی بیٹی نے ان کی لاج رکھ لی تھی۔ اور ان کی خواہش کا احترام کیا تھا۔

پھر وہ جازیہ کو سمجھاتی رہیں اور وہ تمام گر اسے بتاتی رہیں۔ جس کی اسے آگے چل کر ضرورت تھی۔

Scanned with CamScanner

ساتھ ساتھ عدیل کی عادات تعلیم اور سیرت کے متعلق بتاتی رہیں۔ اور جازیہ دل سے پھوٹنے والی خوشی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے سر جھکائے ان کی نصیحتیں گرہ میں باندھتی رہی۔

قسمت کسی پر یوں بھی مہربان ہوتی ہے۔ اُسے کسی طور یقین نہیں آ رہا تھا مگر بے یقینی کی کیفیت میں اپنے سچے رب کا شکر ادا کرتی رہی۔ کہ اس نے اسے ایک بڑے امتحان سے بچا لیا تھا۔

جمعہ کو جازیہ اور زویا دوپہر کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد رات کے کھانے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ جازیہ تو مارے خوف کے کچن سے باہر ہی نہیں آ رہی تھی۔ کیونکہ جب سے جاذب کو اس کے رشتے کے متعلق سُن گُن ملی تھی اسے چھیڑ چھیڑ کر ستا رکھا تھا۔ اس وقت تو زویا بھی اس کا خوب ساتھ دے رہی تھی مگر اس کی حالت کے پیشِ نظر وہ تو چپ ہو گئی البتہ جاذب کو تو ایک اچھا موقع مل چکا تھا۔

پہلے تو وہ اکیلے ہی اسے تنگ کرتا رہا مگر دوسری طرف سے جواب ندارد تھا سو خاموش ہو گیا۔ اکثر جمعہ کو ان کے کزنز وغیرہ آ جاتے تھے۔ اس دن بھی اتفاقاً ان کا آنا ہو گیا۔

وہ تو ویسے ہی پریشان تھی۔ خواب کی تعبیر تو جلد ہی آ گئی تھی مگر تاثیر کا کچھ علم نہ تھا۔ ویسے بھی بغیر کسی محنت کے ثمر ملنا ایک طلسمی سحر ہی تھا۔ جو جلد ہی ٹوٹ جایا کرتے ہیں مگر وہ خدا سے خیر کی ـــ ـــ دعائیں کرتی ہوئی ادھر ادھر کام میں مصروف تھی۔

اتنے سارے شیطانوں کے قافلے کو دیکھ کر ہی گھبرا گئی۔ اب تو اس کی شامت ہی آ گئی تھی۔ جاذب سمیت مل کر اسے ستانے لگے۔ کام سے فارغ ہو کر وہ دونوں کمرے میں آ گئیں۔ نہا دھو کر تیار ہو کر نکلیں تو تمام کزنز نے آ لیا۔

آج عائشہ بیگم وغیرہ مٹھائی کے ساتھ آ رہی تھیں۔ اس لیے جازیہ کو زویا نے خاص طور پر کاسنی چائنا سلک کے شلوار سوٹ پر زری کے کام کا کاسنی ہی دوپٹہ اوڑھا دیا۔ اس سوٹ اور اونچے بنگالی جوڑے میں وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی۔ کہ زویا بھی کئی بار نظر اتار چکی تھی۔ عائشہ بیگم نے تو یقیناً واری صدقے ہونا ہی تھا۔

دونوں باہر آئیں تو سب کے سب ان کے پیچھے لگ گئے۔ جازیہ تو ان کے چہرے پر لکھے شیطانی عزائم دیکھ کر ہی پریشان ہو گئی۔ آخر کب تک وہ ان شریروں سے چھپتی پھرتی۔

جب بھی ان سے ملنے کے امکاں نظر آئے
خوش ہوئے اتنے کہ پریشاں نظر آئے

جاذب نے حسبِ عادت شعر پڑھ کر اس کے پریشان چہرے پر چوٹ کی۔

"جاذب پلیز اب اس طرح نہ کہو۔" وہ جھینپتے ہوئے بولی۔

"تو پھر کس طرح کہوں؟" وہ اسی طرح بولا۔

"خاموش رہو۔" جازیہ خفت بھرے لہجے میں بولی۔

"ظاہر ہے اب ہماری باتیں تو آپ کو پسند آنے سے رہیں۔" آصف شوخی سے بولا تو اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"محترمہ کزن صاحبہ۔ اس گھر میں یعنی میرے ماموں کے گھر میں، محترم عدیل کرمانی کے علاوہ کچھ جگہ کچھ دیکھنی مجھ غریب کے لیے بھی ہے۔" عارف مسکین کی صورت بنا کر جازیہ سے پوچھ رہا تھا۔

"کیوں آپ نے جھاڑو دینی ہے۔" وہ جی کڑا کر کے بولی۔ آخر جواب تو دینا تھا۔

"تو کیا محترم عدیل نے پونچھے کا کام سنبھال لیا ہے؟" یہ احد تھا۔

"یا خدا میں کہاں پھنس گئی ہوں۔" جازیہ بیزاری سے بڑبڑائی۔

"کوئی فکر کی بات نہیں چند اکزن۔ ہم جلد ہی آپ کو اس پھنسی ہوئی جگہ سے نکال کر سسرال ٹائپ جگہ پر شفٹ کر دیں گے۔" اسد بولا۔

"کرائے کی چنداں فکر نہیں، وہ جہیز کی صورت میں دے دیا جائے گا۔" کاشف نے لقمہ دینا ضروری سمجھا۔

"بس اب تو منہ میٹھا کرا دو۔" میٹھے کا شوقین اسد اپنے مطلب پر آ گیا۔

"آپ لوگوں کی کوئی خواہش پوری نہیں ہو گی

جب تک کہ....." اس سے پہلے وہ اپنی بات پوری کرتی، سلمان بول پڑا۔

"جب تک آپ کو ڈولی میں نہیں بٹھاتے، یہ ہی بات ہے ناں؟" اس نے تائید چاہی۔

"اوہ خدارا!" وہ بری طرح شرما دی۔ جاذب نے سب کو آنکھ مار کر اشارہ کیا تو سب بیک وقت رونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے گانے لگے۔

"میری پیاری بہنا بنے گی دلہنیا
سج کے آئیں گے دولہے راجہ، بھیا راجہ بجائیں گے باجا"

اس سے پہلے کہ وہ گانا ختم کرتے، جازیہ سامنے سے آتے جاذب کے گلے لگ کر رو دی۔ اس اچانک افتاد پر سب ہی کو بریک لگ گئے۔

کچھ تو وہ صبح ہی سے پریشان تھی کچھ ان کی باتوں نے اس کے اشک بہا ڈالے۔ گھر کو اور ان سب پیارے پیارے محبت کرنے والے لوگوں کو چھوڑنے کا تصور کرتے ہی آنکھیں بھیگ جاتیں۔ صبح سے برداشت کر رہی تھی۔ خوشی اور غم کے آنسو دل میں جمع ہو کر آنکھوں کے رستے بہہ جانا چاہتے تھے۔ آبگینوں کو ٹھیس لگنے والی بات تھی۔ ان سب کی چھیڑ چھاڑ نے مل کر اسے رُلا ہی دیا۔

"ارے ارے گڑیا۔ کیوں رو رہی ہو؟" جاذب نے اس کو اپنے سے الگ کرنے کی کوشش کی مگر وہ تو برابر روئے جا رہی تھی۔

"کیا کسی نے کچھ کہہ دیا ہے؟" وہ اس کی کیفیت اور سامنے کھڑے شیطان کے چیلوں کے چہرے پر مجرمانہ سنجیدگی میں چھپی شوخی دیکھ کر حالات کی نوعیت سمجھ گئے تھے۔ اس لیے مسکرا کر پوچھ رہے تھے جازیہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اچھا چلو منہ ہاتھ دھو لو۔ مہمان آ گئے ہیں۔" پھر وہ اسے سینے سے لگائے لگائے پیار سے سمجھاتے ہوئے باہر لے گئے۔

"رلا دیا آپ لوگوں نے۔ بس اسی کی کسر رہ گئی تھی۔" زویا تنک کر بولی۔

"کیوں بھابی۔ آپ کو بھی ابھی سے پریکٹس کرنا ہے؟" احد کیوں پیچھے رہتا۔ جاذب کے رشتے سے سب ہی اس کو بھابی کہتے تھے۔ انہوں نے جاذب کو کہنی مار کر اشارہ کیا تو زویا شرما کر وہاں سے بھاگ آئی۔

ان لوگوں سے کوئی بعید بھی نہ تھا۔ اپنی بے وقت کی راگنی الاپنا شروع کر دیتے۔

"چلو میدان صاف ہوا۔ چل کر جازیہ کے کمرے میں بیٹھتے ہیں۔" جاذب اس رونے دھونے سے گھبرا کر بولا۔

دل ہی دل میں تو اسے بھی بہن کی جدائی کا دکھ تھا۔ پھر اسے بیاہ کر جانا بھی تو دور تھا۔ گو کہ ابھی بات ہی چل رہی تھی مگر اسے یقین تھا کہ کوئی اعتراض نہ ہونے کی صورت میں یہ رشتہ جلد طے پائے گا۔

ویسے بھی عدیل اسے بہت پسند تھے۔ ان کی گریس فل پرسنالٹی میں ایک خاص قسم کا چارم تھا۔ کہ بندہ بلاوجہ احترام کرنے پر مجبور ہو جائے۔ تمام کے تمام لڑکوں نے جازیہ کے کمرے میں دھاوا بول دیا اور کارڈز کھیلنے لگے۔ عدیل بھی آ کر ان میں شامل ہو گیا۔

ڈرائنگ روم میں شہریار صاحب اور عائشہ بیگم آ چکی تھیں۔ عمارہ، سارہ ان دونوں کے پاس آ گئیں۔ اس وقت جازیہ کی نظریں مسلسل جھکی ہوئی تھیں۔ اور وہ مسلسل اسے چھیڑ رہی تھیں۔

"آج تو ہم ہار کر ہی جائیں گے۔" عمارہ نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر جازیہ کو صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ خوشی سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

"زویا تم کب چھوارے کھلوا رہی ہو؟" جازیہ کو بری طرح بلش ہوتے دیکھ کر سارہ نے بات پلٹ دی۔ اور مسکرا کر زویا کی طرف مڑ گئی۔ ایسی حالت میں جازیہ کو مزید تنگ کرنا ظلم ہی تھا۔

اچانک حملے پر زویا بوکھلا کر اسے دیکھنے لگی۔

"یہ ان سے کیا پوچھ رہی ہیں۔ مابدولت سے پوچھیے۔" نجانے کس طرف سے جاذب آ گیا۔ اور بے تکلفانہ انداز میں آ کر سامنے صوفے پر براجمان ہو گیا۔

"کیوں تمہیں شرم نہیں آئے گی؟" سارہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"کیوں بھلا۔ جب میری شرمیلی بہن یعنی آپ کی

Scanned with CamScanner

ہونے والی بھابی سے ایسے اول جلول سوال کرتے ہوئے آپ کو شرم نہیں آئی تو مجھے کیونکر آنے لگی۔" اس نے گویا بدلہ اتارا۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔" سارہ نے جازب کا کان مروڑ دیا تو وہ چیخ پڑا۔

"آپ بتائیے۔ شہزادہ خرم کی شہزادی کب تک بن رہی ہیں۔" زویا نے سارہ کو اس کے منگیتر خرم کے نام سے چھیڑا تو وہ مسکرا دی۔

دونوں طرف سے برابر چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی۔ باقی ماندہ کزنز بھی آ گئے۔ تو شور و ہنگامہ اور بڑھ گیا۔ جازیہ تو سر جھکائے بیٹھی تھی۔

اتنے میں مہ جبین اور عائشہ بیگم معہ شوہروں کے اندر آ گئیں۔ اس وقت وہ دونوں اتنی خوش تھیں کہ بیان سے باہر۔ ہاں کی جا چکی تھی۔ عائشہ بیگم نے جازیہ کو لال دوپٹہ اوڑھا کر منہ میٹھا کرایا۔ ہیرے کی جگمگاتی انگوٹھی اس کی مخروطی انگلی میں پہنا دی۔ اور اس کا ماتھا چوم لیا تو اس نے شرما کر چہرہ مزید جھکا لیا۔ مہ جبین بیگم اور عائشہ بیگم نے ایک دوسرے کا منہ میٹھا کرایا۔

چاروں طرف سے لڑکوں نے مبارک سلامت کا شور مچا دیا۔

"خیر مبارک۔ خیر مبارک۔" عائشہ بیگم نے ہنستے ہوئے تمام لڑکوں کے سر پر ہاتھ پھیرا تو لڑکوں نے ترنگ میں آ کر ان کے ہاتھ سے مٹھائی کی پلیٹ لے کر زبردستی لڈو ایک دوسرے کے منہ میں ٹھونس دیے۔

اس حسین سرمئی شام کا اختتام نہایت خوشگوار ہوا اور شام کے تمام حسین رنگ سمٹ کر جازیہ کے چہرے پر اتر آئے اور اسے اپنے من کی مراد بن مانگے ہی مل گئی۔

دونوں طرف سے تیاریاں شروع ہو گئیں۔

تمام کپڑے اور زیورات جازیہ کی مرضی سے خریدے جانے لگے۔ ہر طرف ہنسی خوشی کام نمٹائے جا رہے تھے۔ مسرتوں کا سیلاب تھا اور قہقہوں کا راج تھا ایسے میں جازب اور سہیل تو گھن چکر بن کر رہ گئے تھے۔ کبھی فرنیچر والے کے پاس دوڑایا جا رہا ہے تو کبھی درزی کے پاس سوٹ بھول کر آنے کی سزا بھی اسی کو بھگتنی پڑ رہی تھی۔ تمام دن کام کر کے جب جازب ذرا تھکن اتارنے لیٹتا تو زویا یا مہ جبین اسے اٹھا کر کسی نہ کسی کام کے لیے بھیج دیتیں۔

جازب اور آصف صاحب دوسرے کاموں میں سخت مصروف تھے۔ زویا کو شاپنگ سے ہی فرصت نہ تھی جازیہ ہی سارا دن کام کرتی رہتی۔ زویا کئی بار منع بھی کرتی کہ "اب تو کام مت کرو بی بنو۔" تو وہ دھیرے سے مسکرا دیتی۔ مہ جبین بیگم بھی زویا کے ساتھ سخت مصروف تھیں۔

پھر وہ دن بھی آ گیا

تمام مہمان لڑکیوں نے ڈھول اور دف سنبھال لیے اور شادی بیاہ کے گیت گانے شروع ہو گئیں۔

گانوں کے بولوں اور المیہ طربیہ طرزوں نے جازیہ کے دل کے تار ہی چھیڑ دیئے وہ کبھی جازب کو تو کبھی جازب کو دیکھتے ہی دھواں دھار رونا شروع کر دیتی۔ آخر اس گھر میں ایک زمانہ گزارا تھا۔ ہر لڑکی کی طرح اپنا گھر والدین بھائی بہن اور دوست احباب کو چھوڑنے کا دکھ اسے بھی تھا۔ جدائی کا قلق تھا۔

یہ صحیح تھا کہ وہ اپنی محبت کو حاصل کر رہی تھی لیکن ان سب لوگوں کو چھوڑنے کا دکھ اپنی جگہ مسلم تھا۔ مگر اچھے دنوں کی آس تھی۔ من مندر کے دیوتا سے ملنے کی خوشی بھی تھی۔

مہ جبین اس سے چھپ کر روتیں اور انھیں خاموش کرانے کی کوشش میں زویا بھی رو پڑتی۔ اس کو جانا بھی تو دور تھا۔

اوپر سے جازیہ کے ہر وقت رونے سے کبھی کبھی زویا بھی ضبط نہ کر پاتی اور پھر دونوں گلے لگ کر ایسے روتیں کہ چپ کرانا مشکل ہو جاتا۔ ایسے میں جازب اور دوسرے لڑکوں کے چٹکلے ہنسنے ہنسانے پر مجبور کر دیتے۔ اور یونہی کبھی ہنستے کبھی روتے ہوئے شب و روز شادی کی تیاریوں میں گزرنے لگے اور بارات کا دن بھی آ گیا۔ جازیہ تیار ہو چکی تھی۔ کامدار غرارے پر سرخ قمیض۔

Scanned with CamScanner

تھی سر پہ لگا لشو کا لال دوپٹہ اپنی بہار دکھا رہا تھا۔
کانوں میں خوبصورت طلائی آویزے اور ماتھے پر بجے
ٹیکے نے اس کے شوخ حسن میں چار چاند لگا دیے
تھے۔ دونوں ہاتھوں میں سونے کی چوڑیاں بھری ہوئی
تھیں۔ گلے میں تو ہاروں کا کوئی حساب نہ تھا۔ مناسب میک
اپ اور ہیرا اسٹائل میں وہ سب سے زیادہ حسین لگ
رہی تھی۔ بس مہ جبین بیگم اور زویا سے لگی بیٹھی تھی۔
جلد ہی اسے ان سے بچھڑ جانا تھا۔ شادی کے بعد
عدیل اسے ایبٹ آباد لے جا رہے تھے۔ اپنے ساتھ
اسے وہیں رہنا تھا۔ اگر عائشہ بیگم ہوتیں تو اس کا بھی
دل لگا رہتا۔ مگر وہاں کے اکیلے پن کے خوف سے
اس کا دل دہلا جا رہا تھا۔ گو کہ ابھی اس نے یہاں بیس
دن رہنا تھا مگر پھر بھی وہ اداس تھی۔ اس سے زیادہ
دن عدیل یہاں نہیں رہ سکتے تھے۔ کاروبار کا حرج ہوتا۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو۔" جازیہ نے زویا کو دیکھا
تو بے اختیار کہہ اٹھی۔

"جازب کی تو آج خیر نہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ ہنس
دی۔

"تم بھی حد کرتی ہو جازی۔" زویا بری طرح بلش ہو گئی۔

"پگلی۔ جلدی سے تو بھی اپنے چھوارے کھلوا دے۔"
جازیہ اسے لپٹاتے ہوئے بولی۔

ابھی دونوں میں باتیں ہی ہو رہی تھیں کہ بارات
کے آنے کا شور شروع ہو گیا۔ تمام لڑکیاں اسے کمرے
میں چھوڑ کر بھاگ گئیں۔

باہر جازب نے نیگ کا چکر چلا دیا۔ کافی دیر تک
ہنسی مذاق ہوتا رہا۔ عدیل دولہا بن کر بہت ہی ہینڈسم
لگ رہے تھے۔ کریم کلر کی شیروانی پر کریم کلر کا کلاہ
بہت ہی سج رہا تھا۔ مسکراہٹ چہرے پر رقصاں تھی۔

"بچی جازی۔ عدیل بھائی دولہا بن کر بہت اچھے
لگ رہے ہیں۔" زویا نے آندھی کی اسپیڈ سے کمرے
میں داخل ہوتے ہی اطلاع دی۔ "بس تم ساتھ بیٹھ جاؤ
قسم سے چاند سورج کی جوڑی لگے گی۔" اس نے
شرارت سے آنکھ ماری تو جازیہ کھل کر مسکرا دی۔

تھوڑی دیر میں تمام لڑکیاں کمرے میں آ گئیں۔
خوب چھیڑ چھاڑ اور تعریفیں ہو رہی تھیں کہ کان پڑی
آواز نہ سنائی دے رہی تھی۔

"چلو زویا۔ جازیہ کو باہر لے آؤ۔" عائشہ بیگم اور
مہ جبین نے آ کر کہا۔ ساتھ ہی عمارہ سارہ بھی مسکراتی
ہوئی داخل ہوئیں۔ اور سب مل کر جازیہ کو باہر لے
آئیں۔

اسٹیج پر عدیل کے ساتھ بٹھاتے ہوئے خوب
ہنسی مذاق ہو رہا تھا۔

"عدیل بھائی۔ بڑا نایاب ہیرا ڈھونڈا ہے۔"
عدیل کی پھوپھی زاد نے سراہا۔ جازیہ کی تو حالت ہی
عجیب تھی۔ سر جھکائے سب کی گفتگو سن رہی تھی۔

"محترمہ ہمارے بھائی بھی کچھ کم نہیں۔" عمارہ فوراً بولی۔

"واہ واہ۔ ابھی سے نند بھاوج کا جھگڑا شروع۔"
اسد جو پیچھے کھڑے تھے فوراً بول اٹھے۔

"خدا نہ کرے۔ میں تو یونہی بول پڑی تھی۔" اسد کی
بات پر وہ خفیف سی ہو کر بولی۔

"محترمہ کہیں یونہی کچھ اور نہ کہہ بیٹھے گا۔" اسد نے
اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ اس طرح کہا کہ
وہ گڑبڑا گئی۔ اور اسد سمیت سب کا قہقہہ گونج اٹھا۔

سب ہی طرف ہنگامہ برپا تھا۔ کھانے کا ٹائم ہو
چکا تھا لہذا کھانا چن دیا گیا۔ جازب اور دوسرے لڑکوں
کو جازب نے زبردستی اپنے ساتھ لگا لیا۔ سب ہی لڑکے
مصروف ہو گئے۔ اور ہنستی مسکراتی لڑکیوں کو ادھر ادھر
گھومتے گھماتے دیکھ کر کھول کر رہ گئے۔

"آج آپ لوگوں پر کام معاف ہے کیا؟" اسد نے
زویا کے ساتھ جاتی ہوئی عمارہ کی آنکھوں میں دیکھتے
ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں۔ آج یہ کام چند ویٹروں کے سپرد ہے۔"
عمارہ نے چوٹ کی۔

"اوہ۔ ویسے ٹپ میں کیا ملے گا؟" اسد نے مسکرا کر
اس کے جواب پر سوال داغا۔

"ایک عدد جوتا۔" وہ چڑ گئی۔

"اچھا اچھا۔ چھپانے کے بعد مل جائے گا۔ ویسے
نیگ کتنا ہو گا۔ بتا دیں تاکہ میں انتظام کر لوں۔" وہ اس
بات کو کسی اور ہی رنگ میں لے گیا۔ اور ساتھ کھڑی
لڑکیوں سے نیگ کے متعلق سوال کرنے لگا۔

Scanned with CamScanner

"ایک عدد دل" لڑکیوں سے پہلے جاذب سمیت تمام لڑکے بول پڑے۔

"ارے نہیں یار۔ وہ تو کسی اور کو دیا جائے گا منہ دکھائی میں" اسد ایک نظر عمارہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔ تو وہ سٹپٹا گئی۔ سب ہی معنی خیز انداز میں ہنس پڑے۔

"چلو یہاں سے" عمارہ نے ہنستی مسکراتی لڑکیوں کو دیکھ کر کہا۔ اسد کی چوٹ پر وہ بوکھلا گئی تھی۔ کیا کہتی۔ بس چپ رہی اور آگے بڑھ گئی۔

"چلو ہم بھی مل کر کچھ کام کریں۔ جاذب بھائی ہماری جان کو کوس رہے ہوں گے۔ اس مجنوں کے بچے نے تو آج پٹوا دینا ہے" جاذب اسد کے کندھے پر ہاتھ مار کر بولا جو جاتی ہوئی عمارہ کو دیکھ رہا تھا۔

کھانے کے بعد تمام مہمان آہستہ آہستہ رخصت ہو رہے تھے۔ ادھر جازیہ اور مرجبین کے آنسو تھے کہ رک ہی نہیں رہے تھے۔

"ارے مرجبین تم تو بس کرو۔ ایسے بھی کوئی روتا ہے" عائشہ بیگم انھیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولیں۔ اب وہ کیا جواب دیتیں کہ اپنے جگر کا ٹکڑا کسی اور کی جھولی میں ڈالنا کتنا مشکل ہے۔ کتنے آنسو ہیں جو دل کو چھیدتے ہیں کتنے ٹکڑے ہیں جو دل کے ہوتے ہیں۔ اپنے وجود کا ایک حصہ ہوتا ہے جسے جدا کرنا پڑتا ہے۔ پھر جازیہ جیسی بیٹی کہ وہ اس پر جتنا بھی ناز کریں اور اس کی جدائی پر جتنا بھی روئیں کم تھا۔

"عائشہ میری بیٹی کو"

"بس بس بس۔ ایک لفظ بھی آگے نہ کہنا۔ کیا وہ میری بیٹی نہیں" عائشہ ان کی بات کاٹ کر بولیں۔ اور مرجبین بیگم کے آنسو صاف کر کے مسکرا دیں۔

"بس دعا کرنا دونوں خوش رہیں۔ تم نے میری بہت بڑی خواہش پوری کر دی" عائشہ بہت خوش تھیں۔ چاند سی بہو کا خواب تو ہر ماں ہی دیکھتی ہے مگر ان کا تو چہرہ ہی چمک اٹھا تھا۔ خواب سچے ہو گئے تھے۔

رخصتی کے وقت جازیہ زویا جاذب عازب مرجبین اور آصف صاحب کے گلے لگ کر ٹوٹ کر روئی کتنے عزیز تھے یہ سب لوگ۔ اسے کتنی محبت ہے ان سب سے اپنے دل میں۔ اور اتنے پیارے لوگوں سے بچھڑنے کا دکھ۔ سوا ہو گیا۔ گو کہ اس کے خوابوں کی سچی تعبیر اسے مل ہی گئی تھی مگر اس تعبیر کے لیے اسے بہت بڑی قربانی دینی پڑی تھی۔ یہ قربانی اس کو ہی نہیں ہر لڑکی کو دینی پڑتی ہے۔

بڑی مشکل سے زویا نے روتی ہوئی جازیہ کو مرجبین سے الگ کیا۔ اور سارہ، عمارہ نے مل کر اسے گاڑی میں بٹھا دیا۔ عدیل بھی مرجبین بیگم اور آصف صاحب کو خدا حافظ کر کے جاذب، عازب سے ہاتھ ملا کر گاڑی میں آ بیٹھے۔

عائشہ بیگم، مرجبین بیگم کے پاس آئیں "بس کرو بہن۔ دیکھو لڑکیاں تو ہوتی ہی پرائی ہیں۔ اور پھر تم اسی طرح روتی رہیں تو جازیہ ہرگز چپ نہ ہو گی چلو ہنس دو۔ اور خوشی خوشی بیٹی کو وداع کرو" عائشہ بیگم کے کہنے پر سب ہی روتے روتے مسکرا دیے۔

گاڑی چلی اور اپنے پیچھے بہت سی آہیں اور بہت سے تڑپتے دل چھوڑ آئی۔ جازیہ اپنے خوابوں کے جزیرے کی طرف گامزن تھی۔ اس نے اپنی منزل پا لی۔ سب نے ہی سکھ کا سانس لیا۔

دروازے پر کھٹکا ہوا تو وہ چونک کر سیدھی ہو گئی۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ہاتھ پیروں سے پسینہ پھوٹے پڑ رہا تھا۔ اک خوف تھا جو دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ اتنی دیر سے آنے کی کوئی خوشگوار وجہ تو ہو نہیں سکتی۔ تمام خوش گمانیاں کافور ہو چکی تھیں۔ سکت تھا کہ مفقود، گردن جھکی ہوئی تھی۔ عدیل آہستہ سے اندر آ گئے۔ اور دروازہ بند کر دیا۔

باقی آئندہ ماہ شمارے میں

Scanned with CamScanner

ایک نظر جھکی ہوئی جازیہ پر ڈالی۔ گھڑی نے پونے پانچ کا گھنٹہ بجایا تو وہ چونک پڑی۔ انھوں نے ہار وغیرہ اتار کر ایک طرف ڈال دیے۔ اور سامنے صوفے پر نیم دراز ہو گئے۔ ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھنسالیں۔ عجیب سا ہیبت ناک سناٹا تھا۔ ایک جامد خاموشی۔ سکوت ہی سکوت اور اس سناٹے میں جازیہ کا دم گھٹ رہا تھا۔ ایکدم عدیل صوفے سے اٹھ کر۔ جازیہ کے بالکل سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ اس کی نظریں قالین پر کھڑے عدیل کے پیروں کا طواف کر رہی تھیں۔

"جازیہ" انہوں نے چیر دینے والے سناٹے میں اسے پکارا تو جیسے اس کی روح تک کانپ گئی۔

نجانے وہ کیا کہنے والے تھے۔ ان کی گمبھیر آواز میں ایک طرح کا سکوت تھا۔ جو آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تھا۔ جازیہ اندر ہی اندر لرز گئی۔ تمام خیالات اور سوچیں کہیں جا سوئیں۔ بس اس کے کان منتظر تھے کہ وہ کچھ کہیں۔ وہ اپنی جگہ سُن سی بیٹھی تھی۔

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے، آپ میری بات غور سے سنیں" وہ نہایت حلاوت سے بولے۔

اس نے سر اٹھایا اور ایک کانپتی ہوئی نگاہ ان کے سراپے پر ڈالی۔ سامنے ہی وہ اپنی تمام تر وجاہتوں سمیت کھڑے تھے۔ جازیہ انہیں خاموش نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"دیکھئے جازیہ میں آپ کو اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا، ہر انسان کی پسند ناپسند کے مختلف معیار ہوتے ہیں۔ ضروری تو نہیں جو مجھے پسند ہو وہ آپ کو بھی پسند ہو" وہ کیا کہنا چاہ رہے تھے۔ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا وہ ان کی باتوں کا واضح مفہوم سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"میرا مطلب ہے کہ ہماری اپنی اپنی زندگی ہے جسے بھرپور طریقے اور اپنی مرضی سے گزارنے کا ہمیں پورا پورا حق حاصل ہے۔ اور ہمیں چاہیے کہ ہم اس حق کو استعمال کریں" انھوں نے دوبارہ بات شروع کی۔

"میں کسی زبردستی یا جبر کا قائل نہیں ہوں۔ آپ سمجھدار ہیں، ہوشمند ہیں، اپنے متعلق فیصلہ کرنے کا حق رکھتی ہیں اور صحیح فیصلہ بھی کر سکتی ہیں" وہ لمحہ بھر کے لیے رُک کر کھوئی کھوئی سی جازیہ کو دیکھنے لگے۔ تو اس نے نظر سمیت سر بھی جھکا لیا۔ آخر کو وہ بھی ایک روایتی دلہن تھی۔

"اگر ہم اپنی آنے والی زندگی کی بنیاد جھوٹ پر رکھیں گے اس میں سچائی اور حقیقت کے بجائے جھوٹ شامل کریں گے۔ دھوکے کی آمیزش کریں گے تو یہ عمارت زیادہ عرصے نہیں رہ سکے گی۔ کیونکہ جھوٹ پر استوار کیے گئے رشتے کچے دھاگے سے

دوسری اور آخری قسط

افشاں آفریدی

قرابت کو منالیں

Scanned with CamScanner

ناولٹ

Scanned with CamScanner

زیادہ کمزور ہوتے ہیں۔ ریت کی دیوار کی طرح نازک۔" عدیل کو خود کچھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ خود الجھ رہے تھے کہ وہ کیسے ایک نئی نویلی دلہن کو اپنے دل کی بات بتائیں جو کہ خوش آئند نہیں بلکہ کئی دکھوں کا آغاز ہے۔

جازیہ اپنی جگہ خود پریشان تھی وہ اس قدر تمہید کس بات کی باندھ رہے ہیں۔ ان کی تمام گفتگو کا عنوان تو تقریباً اس کی سمجھ میں آ گیا تھا مگر وہ یاس و بیم کی کشتی میں سوار کسی کنارے یا منجدھار کا انتظار کر رہی تھی۔ یا تو آر یا پھر پار۔

کمرے کے جامد سناٹے میں ایک بار پھر عدیل کی آواز گونجی۔

"میں آپ کو آج کے دن جب کہ ہم ایک نئی زندگی کا آغاز کرنے جا رہے ہیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ شادی میری مرضی سے نہیں ہوئی۔" عدیل کی بات سے اس پر حیرت و غم کے ان گنت پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اس کا تمام وجود آندھیوں کی زد میں تھا۔ دل دھڑک دھڑک کر باہر آنے کو بے تاب تھا۔ سانسوں کے زیر و بم اس کو اپنے کانوں میں سنائی دے رہے تھے۔

اپنی خوشی، جوش و ولولے کے ساتھ کی گئی شادی دولہا کی مرضی کے بغیر تھی، وہ حیران ہو گئی۔ پھر کہیں بھی تو عدیل کی کسی بات کسی انداز سے یہ محسوس نہ ہوا کہ وہ خوش نہیں بلکہ ان کے چہرے پر اور ان کی آواز میں خوشی اور وہ کھنک تھی جو کسی عزیز شئے کو حاصل کرنے کے بعد ہوتی ہے مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا۔

"شاید یہ میرا ہی قصور ہے۔ ہو سکتا ہے میں نے یہ بات محسوس نہ کی ہو۔ عدیل واقعی خوش نہ ہوں۔ خوشی کی سبز عینک سے مجھے تو سب ہی کچھ سبز نظر آ رہا تھا۔" وہ اپنے آپ کو سمجھا رہی تھی۔ سوچے جا رہی تھی۔ یک طرفہ محبت کا جو انجام ہوا تھا اس پر اس کے ارمان اس کی حسرتیں نوحہ خواں تھیں۔ اور وہ برف کے تودے کی طرح ٹھنڈی تھی۔ جس پر کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور اگر ہوتا تھا تو گرمی کا۔

اور دکھوں کی جدت نے جازیہ کو بھی پگھلا دیا وہ ہمیشہ خوشیاں دیکھتی ہی آئی تھی۔ خوشیاں تو اس کے گھر کی باندی تھیں۔ دکھوں کی کیسی شکل ہوتی ہے اسے معلوم نہ تھا۔ گو کہ ان چند گھنٹوں میں اس نے آنے والی صورتحال کو سمجھ لیا تھا اور اسے ہینڈل کرنے کا بھی عزم کر لیا تھا۔

"یہ شادی ماما نے اپنی مرضی سے طے کی۔ یہاں آ کر جب میں ایبٹ آباد میں تھا مجھے منگنی کے بارے میں اطلاع دی۔ ماما کو بینی آنٹی شروع ہی سے پسند تھیں اور آپ تو بچپن ہی سے ان کی جان تھیں مگر ماما یہ سب اس نقطۂ نگاہ سے سوچتی ہیں مجھے معلوم نہ تھا۔" وہ پل بھر کے لیے رکے پھر گویا ہوئے۔ "جس طرح ایک ماں اپنی اولاد کے لیے سب کچھ تیاگ دیتی ہے اپنی خوشیاں قربان کر دیتی ہے۔ اسی طرح اولاد کا بھی فرض ہے کہ وہ ماں کی خواہشوں کو پورا کرے۔ میں بھی ماما کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھ لیتا۔ پھر آپ میں کوئی کمی نہیں بے شک ماما کا انتخاب لاجواب ہے میں آپ کو ہر وہ خوشی دیتا جو آپ کا حق ہے۔ بشرطیکہ میں نے کسی اور سے وعدہ نہ کیا ہوتا۔" وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بول رہے تھے۔ ان کے انکشاف پر وہ سن ہو گئی۔

کتنے جذبے ہوتے ہیں ہر دل میں اپنے محبوب کے نام۔ عدیل کس قدر آسانی سے اپنی محبت کا اقرار کر گئے کہ وہ کسی اور کو پسند کرتے ہیں۔ اب وہ ان سے کیا کہتی کہ اس نے بھی کسی کو چاہا ہے کسی سے محبت کی ہے۔ اسے بھی یہ سب کہنے کا حق ہے مگر وہ تو چپ تھی مٹی کے پتلے کی طرح۔ بے جان، بے زبان۔ عدیل کی گمبھیر بھاری آواز مسلسل کمرے کے سکوت اور جازیہ کو توڑ رہی تھی۔ وہ اس کی کیفیت سے بے خبر انجان۔ اپنے آپ میں گم بولے جا رہے تھے۔

"یہ سچ ہے جازیہ۔ میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔ میں نے اسے آج سے ایک سال پہلے دیکھا تھا۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا۔ میں نہیں جانتا۔ اور ہم دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے

Scanned with CamScanner

شاید ہی کوئی ایسا دن ہو جب ہم نہ ملتے ہوں۔ وہ ——— غیر معمولی شخصیت کی حامل ایک خاموش طبع لڑکی تھی جو حالات سے لڑ رہی تھی۔ اس نے آج تک مجھ سے کچھ نہ چھپایا۔ اور اس کی سچائی نے مجھے اس کا گرویدہ بنا لیا۔" وہ بڑے پرسکون انداز میں اپنی دلی کیفیات اسے بتا رہے تھے۔ پھر اچانک ابو کی ریٹائرمنٹ کے بعد ان لوگوں کا یہاں آنے کا پروگرام بن گیا۔ میں ان دنوں ماما سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ مگر اس کے والد کے انتقال کی وجہ سے رک گیا۔ ماما وغیرہ یہاں شفٹ ہو گئے مگر میں نے یہاں نہ آنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس بات پر بہت لے دے ہوئی۔ ماما مجھے بھی یہیں بلانا چاہتی تھیں۔ مگر میں مجبور تھا۔ مجھے پریشان دیکھ کر وہ مجھے ماما کا کہا ماننے کو کہتی مگر میں اسے اس کڑے وقت میں اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔" وہ سانس لینے کو رکے۔

اب ان کا بار بار ایبٹ آباد جانے کا مقصد واضح ہو گیا تھا۔ جازیہ غموں کے سمندر میں ڈوب ڈوب گئی۔ ان کے انکشافات ناگ بن کر اسے ڈس رہے تھے۔

"کچھ ہی دنوں بعد مجھے ماما کا خط ملا جس میں مجھے منگنی کی اطلاع دی گئی تھی۔ ماما کو مجھ پر اتنا اعتماد تھا کہ انہوں نے مجھ سے پوچھا ہی نہیں۔ میں ان سب باتوں کو سن کر پریشان ہو گیا۔ اور سیدھا ماما کے پاس پہنچا۔ مگر ماما کے چہرے پر پھیلی خوشی دیکھ کر مجھ میں ہمت ہی نہ ہوئی کہ انکار کر دیتا۔ میں ماما کی خاطر ہر طرح کے امتحان کے لیے تیار ہو گیا مگر مجھ سے منافقت نہیں ہو سکتی۔ دل میں کچھ اور اوپر سے کچھ۔ میں یہ سب نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں پہنچ کر میں نے محسوس کیا کہ میں آپ کو کسی طرح بھی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ کاش مجھے اس بات کا ادراک پہلے ہو جاتا تو آج آپ کو اس صورتحال کا سامنا نہ ہوتا۔" وہ کچھ شرمندہ اور کچھ پریشان تھے۔ چہرے پر ایک عجیب سا تاثر تھا جو جازیہ کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"بہرحال آگے آپ کی مرضی۔ میں نے آپ کے سامنے حقیقت بیان کر دی ہے۔ اگر آپ اس گھر میں رہنا چاہتی ہیں تو شوق سے رہیے۔ یہاں آپ کو عزت اور مان تو ضرور ملے گا مگر میں آپ کو ایک شوہر کی حیثیت سے کسی قسم کی محبت دینے سے قاصر ہوں۔ آپ کی میری نظر میں بہت عزت ہے۔ آپ یونہی معتبر رہیں گی۔ پہلے میں نے سوچا کہ آپ کو کس جرم کی سزا دوں مگر میں تاحیات آپ کو دھوکا بھی نہیں دینا چاہتا۔"

جازیہ نے تڑپ کر ایک نظر ان پر ڈالی۔ انہوں نے جیب سے دو جڑاؤ کنگن نکالے اور اس کی طرف بڑھا کر بولے: "آپ جب تک چاہیں اس گھر میں رہ سکتی ہیں پورے حق کے ساتھ۔ میں آپ کی عزت کر سکتا ہوں محبت نہیں کہ دل تو انسان کا ایک ہی ہوتا ہے۔ میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں کہ میں نے ایک کا حق پورا کرنے کے لیے ایک کا حق ادا نہیں کیا۔ مگر میں اپنا وعدہ نہیں بھول سکتا۔" جازیہ نے گم صم ذہن سے کچھ سوچے سمجھے بغیر ان کے ہاتھ سے کنگن لے لیے۔

"اگر آپ یہاں نہ رہنا چاہیں تو اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔ مگر کچھ دن انتظار کرنا پڑے گا۔" عدیل کتنی بے دردی سے یہ سب کچھ کہہ گئے۔ جازیہ کے جذبوں کا مذاق اڑا گئے۔ کتنے کٹھور تھے عدیل، کتنے سفاک اپنے جذبات کے آگے ہر کسی کے جذبات ان کے لیے بے معنی تھے۔ کتنی بے دردی سے انہوں نے اپنی دلہن کو ہر حق دیتے ہوئے بھی ہر حق سے محروم کر دیا تھا۔ وہ جس کی وجہ سے اس گھر میں آئی تھی وہ ہی اسے محبت نہیں دے سکتا تھا۔ تو پھر اتنے لوگوں کی محبت کو وہ کیا کرتی۔ جب اپنے پیر ہی مضبوط نہ ہوں تو سہارے لینے پڑتے ہیں۔ مگر سہارے سہارے ہی ہوتے ہیں۔

عدیل کنگن اس کے ہاتھوں میں تھما کر ملحقہ کمرے میں جا چکے تھے۔ گویا اسے فیصلہ کرنے کے لیے تنہا چھوڑ گئے۔

کتنی آسانی سے انہوں نے اسے یہاں سے جانے کا بھی کہہ دیا۔ کیا وہ اسے اتنا ہی کم ہمت سمجھتے ہیں؟ ان عام لڑکیوں کی طرح جو حالات سے نباہ کرنے کے بجائے اپنے والدین کے گھر رہنا زیادہ پسند کرتی ہیں یہ سوچے سمجھے بغیر کہ ان کے اس فعل سے والدین کو کن کن مشکلات اور کن اذیت ناک مراحل کا سامنا کرنا

Scanned with CamScanner

پڑتا ہے۔
مگر جازیہ اتنی کمزور نہیں اتنی کم ہمت نہیں وہ تو حالات کو بگاڑنے کے بجائے سنوارنے کی عادی تھی۔ آسانیاں تو سب ہی کو پسند ہوتی ہیں مگر جازیہ جیسی مشکل پسند لڑکی کے لیے اتنی جلدی ہتھیار ڈالنا۔ مشکل تھا۔

"عدیل کیا سمجھتے ہیں۔ میں ہار مان لوں گی، ان کی سزا اپنے والدین اور ان کی خوشیوں کو دوں گی۔ ہرگز نہیں۔ یہ میری اپنی قسمت ہے چاہے بری یا بھلی میں اس کا سایہ بھی کسی پر نہ پڑنے دوں گی۔ یہ میری اپنی جنگ ہے۔ چاہے جیتوں یا ہاروں۔ لڑوں گی ضرور آخری دم تک۔" وہ آپ ہی آپ سوچے جا رہی تھی اور عزم کیے جا رہی تھی۔

اور کئی گھنٹے سوچنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ وہ یہیں رہے گی۔ اپنے گھر عدیل کے گھر۔ اپنا میکہ تو وہ کئی گھنٹوں پہلے ہمیشہ کے لیے چھوڑ آئی تھی۔ پنچھی جس ڈال پر ایک بار بیٹھ کر اڑ جاتے ہیں۔ دوبارہ نہیں جاتے اور وہ بھی اپنی ڈالی چھوڑ چکی تھی۔

اس وقت وہ بھی ایک عام سی لڑکی بن گئی۔ ہر حال میں اپنے شوہر کے ساتھ رہنے والی۔ ایک ہی سوچ رکھنے والی کہ جہاں ڈولی آئے وہاں سے جنازہ جائے اور پھر جازیہ نے ایک عزم کر لیا خود سے اپنی سوچوں سے، اپنے جذبات سے کہ وہ کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لائے گی۔ شاید یہ اس کا امتحان ہے وہ اس میں ثابت قدم رہے گی لوگوں کے سامنے دکھ کا اشتہار نہیں بنے گی یہاں تک کہ اپنے ارمانوں اور آرزوؤں کو ہمیشہ کے لیے اپنے دل میں دفن کر دے گی۔ یہ سب اس کی قسمت ہے پھر واویلا کرنے سے کیا فائدہ۔

اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ عدیل کے پاس ہے اپنی محبت کے پاس۔ اگر یہ سب بھی نہ ہوتا تو وہ کیا کر لیتی۔ شاید میرے جذبوں میں اتنی صداقت نہ تھی کہ میں ان کو ہی نہیں ان کے دل کو بھی تسخیر کر لیتی۔" اس نے اپنے آپ کو دلاسہ دیا۔ اپنی محبت سے جدائی ہی اس کے لیے پل صراط پر چلنے سے کم نہ تھی۔ اور پھر اکیلے جازیہ ان طوفانی تھپیڑوں کا مقابلہ کرنے کے لیے سینہ سپر ہو گئی۔

اذان کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ فجر کا وقت ہو چکا تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور زیور اتار کر الماری سے سادہ سا ریشمی سوٹ نکال کر پہنا وضو کیا اور خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گئی۔ کتنا سکون مل رہا تھا اس کے بے چین دل کو، بے قرار آرزوؤں کو جو نجانے کب سے حسرتوں کا لبادہ اوڑھ چکی تھیں۔ نماز پڑھ کر اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس میں پہلے سے کئی گنا زیادہ طاقت آ گئی ہے۔

"اے خدائے برتر مجھے میرے مقصد میں کامیاب کرنا۔ مجھے اس امتحان میں، اس کڑے وقت میں ثابت قدم رکھنا تاکہ میں اپنے والدین کی عزت کا بھرم رکھ سکوں۔ یا خدا مجھے مضبوط بنا کہ میں عدیل کا دیا ہر غم برداشت کر لوں اور دنیا کی تضحیک کا نشانہ نہ بنوں مجھے صبر دے میرے مالک مجھے ہمت دے۔" نجانے کتنی دیر وہ یونہی سجدہ میں سر رکھے رو رو کر دعائیں کرتی رہی۔ آج وہ دل بھر کر رو لی تھی۔ سارے آنسو بہا چکی تھی۔ بے تحاشا رونے سے آنکھیں بوجھل مگر دل ہلکا ہو گیا تھا۔

؎ اپنی تعبیر میں لکھا ہوا پتھر ہو گا
خواب ٹوٹیں گے تو آنکھوں میں سمندر ہو گا۔

اور آنکھوں کا یہ سمندر وہ کب کا بہا چکی تھی کیونکہ طوفان تو آتے ہی تباہیاں مچانے کے لیے ہیں اس لیے انہیں روک کر ان کی طغیانی میں اضافہ کرنے سے بہتر ہے کہ انہیں گزرنے دیا جائے۔

نماز سے فارغ ہو کر وہ ایک عزم کے ساتھ اٹھی کہ ہر حال میں اپنے گھر رہے گی۔ اپنے والدین کو ایک بیٹی کی حیثیت سے کوئی دکھ نہیں دے گی۔ وہ جو ان کی آنکھوں کا کاجل ہے بدنامی کا بدنما داغ بن کر ان کا سر نہیں جھکائے گی وہ ان کی آنکھوں کا پانی ہے ان کی پیشانی پر پشیمانی کا پسینہ نہیں بنے گی۔ حالات اور واقعات کا خود مقابلہ کرے گی۔ اکیلے بغیر کسی مدد کے اور اگر مدد مانگی بھی تو اس ہستی سے مانگے گی جو چیونٹی جیسے جا

Scanned with CamScanner

کو ہاتھی مار گرانے کا حوصلہ دیتا ہے۔
اور رات کے چند گھنٹے اس کی تمام زندگی پر محیط ہو گئے۔ اور اس کا عزم مزید پختہ ہو گیا۔

روشنی پھیل چکی تھی اور اس کے اندر کا اندھیرا بھی اس سویرے میں کہیں کھو گیا۔ وہ ملحقہ کمرے میں گئی۔ عدیل سفید کرتا پاجامہ میں سوتے ہوئے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ وہ دروازے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ آج پہلی بار وہ انہیں بغیر کسی ہچکچاہٹ کے دیکھ رہی تھی۔ اپنی اس حرکت پر وہ آپ ہی آپ مسکرا دی اور واپس کمرے میں آ گئی۔ بال بنا کر ہلکا سا زیور پہنا اور مسہری پر رکھے کنگن اٹھا کر پہن لیے۔
ابھی وہ تیار ہی ہو رہی تھی کہ عدیل جاگ گئے۔ اور اندر آ گئے۔ جازیہ نے جلدی سے دوپٹہ سر پر ڈالا۔ اور انہیں سلام کیا۔ ہاتھوں سے دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے اس کے کنگن کھنک گئے۔ عدیل نے اسے ایک نظر دیکھا اور الماری سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔
"جازیہ۔ کیا آپ تمام رات سوئیں نہیں؟" وہ جازیہ سے پوچھ رہے تھے۔
خود آنکھوں سے نیندیں اڑا کر کتنے انجان بن گئے تھے وہ
"کیا آپ نے کوئی فیصلہ کر لیا ہے؟"
"فیصلہ۔ کیسا فیصلہ؟" اس نے انھیں نظر اٹھا کر دیکھا۔
"یہاں رہنے یا نہ رہنے کا فیصلہ۔ تمام زندگی بہر حال آپ کو ہی گزارنی ہے۔ لہٰذا فیصلہ بھی آپ ہی کو کرنا چاہیے۔" عدیل اس کی سیاہ غزالی آنکھوں میں جھانک کر پوچھ رہے تھے۔ جو رات بھر بے خوابی اور رونے کی داستان سنا رہی تھیں۔
"آپ کیا سمجھتے ہیں عدیل۔ کیا کوئی اپنا گھر بھی چھوڑ سکتا ہے؟" اس نے پوری شدتوں سے سوال کیا۔ "میں جانے کے لیے تو نہیں آئی۔ اینڈ آئی ایم سوری ٹو سے۔ یہ شادی آپ کی مرضی سے نہ سہی مگر میری اور میرے والدین کی پوری رضا اور خوشی سے ہوئی ہے۔" وہ آہستہ آہستہ نرم لہجے میں بول رہی تھی۔ اپنے آپ سے

Scanned with CamScanner

بے نیاز ہو کر عدیل کی نظروں کے حصار کو بھول کر بس بولے جا رہی تھی۔ دھیرے دھیرے جملے ادا کر رہی تھی۔

"اور مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں کہ میں نے نکاح کے وقت ہی اپنی تمام وفائیں اس گھر سے منسوب کر دی تھیں۔ میں یہیں رہوں گی مگر آپ پر مسلط ہونے کی کوشش ہرگز نہیں کروں گی۔ آپ کی اپنی زندگی ہے آپ جس طرح اسے گزار رہے تھے گزاریے، جیسے چاہیں رہیں، مگر میں یہ گھر نہیں چھوڑ سکتی جو۔ آپ کی نسبت سے میرا ہے۔ یہاں رہنے کا فیصلہ میرا ہے، میرا ہوشمندانہ فیصلہ۔" جازیہ نے ایک بار پھر نظر اٹھا کر انہیں دیکھا جو دونوں بازو سینے پر باندھے الماری سے لگے کھڑے اس کی باتیں بڑے غور سے سن رہے تھے۔

"بس ایک بات آپ سے کہوں گی۔" جازیہ نے ان کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں صرف ایک حق کا استعمال کرنا چاہتی ہوں۔ اس گھر کا ایک ایک کام اپنے ہاتھوں سے کرنا چاہتی ہوں۔" وہ انہیں جواب طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں جازیہ کہ آپ یہاں پورے حق سے رہ سکتی ہیں، لیکن میں آپ کو۔" اس سے پہلے کہ عدیل اپنی بات مکمل کرتے جازیہ نے نرمی سے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک کر کہا۔

؎ شبنم جو ملے خواہشِ دریا نہیں کرتے
ہم حد سے کبھی بڑھ کے تمنا نہیں کرتے۔

"میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔" وہ کھل کر مسکرائی تو عدیل اسے حیران نظروں سے دیکھنے لگے۔

"کیا کوئی شخص اتنا کچھ برداشت کر سکتا ہے۔ اتنا عالی ظرف ہو سکتا ہے۔ پھر جازیہ تو ایک لڑکی ہے۔ کہیں اس نے یہ سب کسی مجبوری کے تحت یا کسی بدنامی کے ڈر سے مغلوب ہو کر تو نہیں کیا۔" ان کے ذہن میں ایک خیال ابھرا۔

"جازیہ۔ آپ نے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کر لی ہے۔" انہوں نے پردے کھینچتی جازیہ سے پوچھا تو وہ مسکرا کر پلٹی۔

"جب میں نے نکاح کے وقت تین مرتبہ اقرار کیا تھا۔ جب ہی میں نے قسم کھائی تھی کہ زندگی بھر یہ اقرار نہیں توڑوں گی۔ اس کے بعد کسی اور فیصلے پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔" وہ اتنے نرم مگر بولڈ لہجے میں بول رہی تھی۔ کہ خود اسے اپنے آپ پر حیرانی ہو رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ جیسی آپ کی مرضی۔ مگر ہم یہاں نہیں رہیں گے ایبٹ آباد چلے جائیں گے۔ کیا آپ وہاں ان حالات میں رہ لیں گی۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"حالات تو یہاں رہوں یا وہاں رہوں ایک سے ہی رہیں گے۔ آپ میری فکر نہ کریں میں ہر طرح کے ماحول میں ایڈجسٹ ہو سکتی ہوں۔ مگر شاید میری وجہ سے آپ کو مشکلات پیش آئیں۔" اس کے لہجے میں نرمی کے ساتھ ساتھ غیرت بھی محسوس ہو رہی تھی۔

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ اِٹس آل رائٹ۔" وہ مدہم لہجے میں بول کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئے۔ اور جازیہ اپنی آنکھوں میں آتے آنسوؤں کو مسکراہٹ میں چھپا کر پلٹ گئی۔ اور آنکھیں نہایت بے دردی سے رگڑ ڈالیں۔ اب اس کی قسمت میں صرف خاموش تماشائی بن کر رہنا تھا۔

وہاں سے ہٹ کر وہ آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور تیار ہونے لگی۔ عدیل کمرے میں آئے تو لڑکیاں اسے باہر لے جا چکی تھیں۔

ناشتے کی ٹیبل پر وہ پہنچے تو عمارہ اور سارہ جازیہ سمیت غائب تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ان کے آتے ہی ناشتہ شروع ہو گیا۔ جازیہ عائشہ بیگم کے پاس بیٹھ گئی۔ برابر میں ہی عمارہ بیٹھی تھی جو مسلسل اس کے کان میں کچھ نہ کچھ کہہ رہی تھی۔ اور وہ گلابی ہوتے جا رہی تھی۔ جسے دیکھ کر عائشہ بیگم پھولے نہ سما رہی تھیں۔

ناشتے کے تھوڑی دیر بعد ہی زویا وغیرہ اسے لینے آ گئے۔ اس کے دوسرے کزنز بھی تھے۔ سب اس کے کمرے میں بیٹھ گئے۔ ایک حسین سماں تھا اس وقت۔

جازیہ بے اختیار زویا کے گلے لگ گئی۔ بے حد شدت سے اسے رونا آیا مگر وہ ضبط کر گئی۔ آنکھیں ضبط کر کے

Scanned with CamScanner

سے سرخ ہو گئیں۔ عدیل مسلسل اسے WATCH کر رہے تھے۔ کتنی خوبصورتی سے اس نے مسکراہٹ میں اپنے آنسوؤں کو چھپا لیا تھا۔

زویا اسے برابر چھیڑ رہی تھی اور عمارہ بھی اس کا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔ وہ دکھی دل سے مسکرا رہی تھی۔ حالانکہ اس وقت تو دل چاہ رہا تھا کہ اس طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے کہ خود اس کی ہستی ہی اس کے آنسوؤں میں بہہ جاتے۔

عدیل اور عازب کچھ دیر آپس میں باتیں کرتے رہے پھر وہ لوگ کچھ ہی دیر بعد وہاں سے آ گئے۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اسے ایسا محسوس ہوا۔ جیسے وہ واقعی کسی اور گھر میں آ گئی ہو۔ ایک رات میں کتنا فرق ہو گیا تھا جس گھر میں ہر چیز اس کی اپنی پسند سے اس کے اپنے ہاتھوں سے سیٹ کی ہوئی تھی۔ وہ پرایا لگ رہا تھا۔ اور جہاں اس کا اپنا شوہر ہی اس کا نہ تھا۔ وہ کتنی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔

مہ جبین بیگم کو دیکھ کر اس سے ضبط نہ ہو سکا ان کے گلے لگ کر سسک پڑی۔

"ارے جازی۔ جان کیا ہوا؟" وہ اس کو خود سے الگ کرتے ہوئے گھبرا کر پوچھ رہی تھیں۔

"بڑی جلدی تھی ناں آپ کو میری شادی کی؟" وہ روتے روتے مسکرا دی مبادا وہ اس کے دل کا دکھ نہ جان لیں۔ "مجھے میرے ہی گھر میں غیر بنا دیا۔" جازیہ ہنس دی تو ڈھیروں سکون ان کے اندر اتر گیا۔

"ہٹ پگلی۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی؟" وہ مسکرا دیں جازیہ نے تو سچ مچ انہیں ڈرا دیا تھا۔ آصف صاحب سے مل کر وہ سب ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف ہو گئے۔ گھر میں بہت کم مہمان تھے۔ بس چند کزنز ہی تھے۔ تمام ہنگامے جو تقریباً پندرہ، بیس دنوں سے جاری تھے سرد پڑ چکے تھے۔

رات بھر جاگنے اور مسلسل سوچنے سے وہ بری طرح مضمحل تھی۔ اسے تھکا تھکا دیکھ کر زویا نے اسے کمرے میں جا کر آرام کرنے کو کہا تو مہ جبین بیگم اور آصف صاحب کے زور دینے پر اسے اٹھنا ہی پڑا۔ ورنہ وہ تو کچھ دیر اور ان کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔ تنہائی میں سوچوں کی یلغار کے تصور سے ہی وہ پریشان تھی۔

کمرے میں آتے ہی دروازہ بند کر کے اس نے آنکھوں میں رکا ہوا سیلاب بہا دیا۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ تمام دل ہی آنسو بن کر بہہ جانا چاہتا تھا۔ یونہی روتے روتے وہ سو گئی۔

ولیمے والے دن وہ بے تحاشا حسین لگ رہی تھی۔ ٹوٹ کر روپ آیا تھا اس پر۔ مہ جبین بیگم اور عائشہ بیگم تو بلائیں لیتی نہ تھک رہی تھیں۔ ایک لمحے کو تو عدیل بھی دنگ رہ گئے کہ کیا یہ وہی لڑکی ہے جس نے شادی کا جوڑا تو ضرور پہنا ہے مگر اصل خوشیوں سے کتنی دور ہے۔

جازیہ کے چہرے سے پھوٹتی خوشی اور بے تحاشا حسین اور بے فکر مسکراہٹ نے عدیل کو بھی یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ یا تو یہ نازک سی لڑکی اپنے غم چھپانے میں بہت ماہر ہے یا دل سے ہی خوش ہے مگر اس خوشی کی کوئی خاص وجہ ان کی سمجھ میں نہیں آئی کہ جس راہ کی وہ مسافر تھی وہ راہ ہی اس کی نہ تھی۔ پھر یہ ڈھیروں اطمینان کہاں سے آ گیا اس کے چہرے پر۔

اب وہ کیا جانتے کہ یہ سکون تو انہیں پا لینے کا ہے۔ کم از کم محبت سے دوری تو نہیں ہے اور یہی خیال اسے سکون اور اطمینان سے ہمکنار کرتا اور وہ تھوڑے پر ہی قناعت کی قائل تھی۔ سو محبت کے معاملے میں بھی اپنا نکتۂ نظر نہ بدل سکی۔

اور اس اطمینان نے جو اس کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہو رہا تھا مہ جبین بیگم کے تمام وسوسوں کو مٹا دیا۔ اور وہ ہلکی پھلکی ہو گئیں۔ گرین بھاری سلمہ کے کام کے غرارے پر لشو کا گرین سلمہ کا دوپٹہ بہت ہی پیارا لگ رہا تھا۔ اور اس کے ہالے میں دمکتا ہوا اس کا چہرہ بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ عدیل گرے تھری پیس سوٹ میں آج ہمیشہ سے زیادہ وجیہہ اور پُروقار لگ رہے تھے۔

محفل میں موجود ہر شخص نے اس خوبصورت جوڑی کو خوب سراہا۔ تو اک ٹیس سی جازیہ کے دل میں اٹھ گئی۔ مگر یہی تو اس کا اصل امتحان تھا اور پھر اس نے

Scanned with CamScanner

اپنے اندر سے اٹھنے والی ہر ٹیس ہر آہ کو گھوٹ ڈالا۔

کچھ دنوں تک دعوتوں کا سلسلہ چلتا رہا اور یونہی گیارہ دن گزر گئے۔ وہ اتنی مصروف رہی، ان دنوں کہ کچھ سوچنے کا موقع ہی نہ ملا۔ کبھی کوئی ملنے آ رہا ہے تو کہیں ملنے جانا ہے۔ اس کی دونوں نندیں اسے بڑے اہتمام سے تیار کرتیں اور ساتھ ساتھ چھیڑتی جاتیں۔ رات کو بستر پر لیٹتے ہی سوچیں اس کا گھیراؤ کر لیتیں۔ مگر نیند کی دیوی اسے اپنی نرم نرم باہنوں میں سمیٹ کر اسے تمام دکھوں، پریشانیوں اور سوچوں سے نجات دلا دیتی۔

ان تمام دنوں میں اس کی اور عدیل کی کوئی خاص بات نہ ہوئی۔ البتہ اس عرصے میں اس نے اپنے آپ کو ہر قسم کی صورتحال کے لیے تیار کر لیا۔ اور صبر و شکر کا دامن تھام کر مسکراہٹ سے اپنے چہرے کو آراستہ کر لیا۔

جتنے دن وہ عائشہ بیگم کے پاس رہی۔ اس کی ہر طرح سے دیکھ بھال ہوتی رہی۔ اور روایتی دلہن کے ساتھ تمام چونچلے بھی آزما لیے گئے۔ اسے یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ مگر جلد ہی یہ سب کچھ چھوٹ جانے والا تھا۔ دعوتوں کا سلسلہ رکا تو عدیل ایبٹ آباد چلے گئے۔ بہت ضروری بزنس ڈیلنگ کے سلسلے میں وہ یہاں رک نہ سکے۔ جبکہ اسے بعد میں جانا تھا۔

ان ہی دنوں جازیہ کی تائی نے اسد کے لیے عمارہ کو پرپوز کر دیا۔ اس کی تو شامت ہی آ گئی تھی۔ وہ جو ہر وقت زویا، جازی اور سارہ کو ستاتی رہتی اب خود ہی سہیل اور جازب کی شرارتوں ذو معنی باتوں سے تنگ آ گئی۔ زویا اور جازیہ بھی گاہے گاہے اسے چھیڑتی رہتیں۔ اور وہ شرما کر رہ جاتی۔

ان سب لوگوں کی سنگت میں بہت ہی خوبصورت دن گزر رہے تھے۔ عدیل کی کمی ہر ایک محسوس کر رہا تھا۔ عائشہ بیگم کا بس چلتا تو وہ ان کا بزنس ختم کر کے انہیں ہمیشہ کے لیے یہیں بلا لیتیں۔ انہیں گئے ہوئے — کافی دن گزر گئے تھے۔ اسے بھی دو دن بعد جانا تھا اس لیے وہ عائشہ بیگم کے ہاں سے اپنے گھر رہنے آ گئی تھی۔

وہ اور زویا بیٹھے کتنی ہی دیر سے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔ ساتھ ہی شادی کی تصویریں وغیرہ دیکھی جا رہی تھیں کہ جازب آ دھمکا۔

"اور سناؤ بی بنو۔ ابھی تو آپ میکے سے نکال گئی تھیں اب سسرال بدر ہو رہی ہیں۔" وہ ان کے پاس ہی قالین پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"شرم کرو جازب۔ تمہاری زبان کے آگے تو خندق ہے جو منہ میں آیا بک دیا۔" مہ جبین بیگم نے اس کے "سسرال بدر" کہنے پر اچھا خاصا ڈپٹ دیا وہ دونوں تو اس زبردست ڈانٹ پر ہنس رہی تھیں۔

"کم آن امی۔ میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔ آپ خوامخواہ ناراض ہو رہی ہیں۔" وہ ان کے گلے میں لاڈ سے بازو حمائل کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اچھا بس بس۔ ذرا دور ہی رہا کرو۔ حد درجے کے غلیظ ہو تم۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے گلے سے اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے اٹھ گئیں۔ اور باہر چلی گئیں۔

"چچ چچ۔۔۔۔۔" دونوں بیک وقت بولیں اور ہنس دیں۔

"بس زیادہ میکلنیس کا اشتہار بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ چڑ گیا۔

"یہ بتاؤ جانا کب ہے۔" اس نے موضوع بدلنا چاہا۔

"دو دن بعد۔" وہ اداس لہجے میں بولی۔

"دو دن۔" وہ بری طرح چلایا۔ "کیا تم دو دن تک یونہی ہمارے سر پر سوار رہو گی۔"

"جی ہاں۔ سوار رہوں گی۔" وہ بھی اسی طرح بولی۔ اس کا صرف دو دن رہنا بھی اسے کھل رہا تھا وہ بری طرح طیش میں آ گئی۔

"اچھا اچھا چلانے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ اداس ہونے کی ایکٹنگ بند کرو۔" وہ اپنا بدلہ اتارنے لگا۔

"بکو مت۔" وہ غصے سے دھاڑی۔

"کیا بکو مت۔ اداس عدیل بھائی کے لیے ہیں۔ اور دکھاوا ایسے کر رہی ہیں جیسے یہاں سے جانے

Scanned with CamScanner

کا دکھ ہے یعنی ہمیں بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔" وہ مصنوعی غصے سے بولا۔ جانتا تھا کہ وہ اس کی بات پر لوٹ پوٹ ہو جائے گی۔ اور یہ ہی ہوا۔ تھوڑی دیر میں جاذب باہر تھا اور کمرے کے تمام کشن اسے دروازے تک چھوڑنے آئے۔

دو دن یونہی شور اور ہنگامے میں گزر گئے سب ہی اس سے ملنے آئے کل اسے جانا تھا۔

زویا اور وہ عائشہ بیگم کے یہاں آئیں اور چاروں نے مل کر اس کا سامان پیک کرایا۔ رات زویا کو عائشہ بیگم اور جازیہ نے زبردستی روک لیا۔ ان دونوں کا بڑا ساتھ رہا تھا۔ اس لیے انہیں کم از کم آج کا دن تو ضرور ملنا چاہیئے تھا۔

تقریباً تمام رات باتیں ہوئیں۔ دونوں بہنیں اپنے کمروں میں چلی گئیں۔ اور زویا وہیں سو گئی۔ مگر جازیہ کی آنکھوں سے نیند ندارد تھی۔ صورتحال مزید گمبھیر ہو گئی تھی۔ گو کہ عدیل کا رویہ بہت مشفق اور محبت آمیز تھا۔ مگر ایسا کب تک چلتا۔ ایبٹ آباد کے خاموش ماحول میں اس طرح رہنا بہت مشکل نظر آ رہا تھا جب طوفان کا سامنا کرنے کا فیصلہ کر لیا تو پھر موجوں سے کیا ڈرنا۔

نجانے وہاں عدیل کا رویہ کیسا ہو۔ اکیلے پن کا خوف اس پر بری طرح طاری ہو گیا۔ مختلف پریشان کن وجوہات نے اس کا حصار کر لیا۔ نئے ماحول میں ایڈجسٹمنٹ کرنا ویسے ہی مشکل تھا۔ اوپر سے بالکل اکیلے دوہرے حالات کا سامنا تھا۔ وہ سخت اپ سیٹ تھی اس گمبھیر صورتحال میں بھی وہ کسی سے مشورہ نہیں کر سکتی تھی۔ آنے والے دنوں کا خوف تھا۔ بیتے دنوں کی خوشگوار یادیں۔ اور ان دنوں انوکھے موڑ پر وہ بے سفر تھی تن تنہا۔

اس کے حسین خواب کی حسین تعبیر نہ تھی اور خوابوں کی کرچیاں اسے اپنے وجود میں چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔

جو خواب ازل سے دیکھا تھا اس خواب کی تعبیر ملی
اک صبر شکن احساس ملا اک درد بھری تقدیر ملی۔
مگر تقدیر کے اس اذیت ناک مذاق پر بھی وہ

مہر بہ لب تھی۔ وہ اور عدیل ریل کی پٹڑیوں کی مانند ساتھ ساتھ چل تو سکتے تھے مگر مل نہیں سکتے تھے۔ مگر اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ کم از کم ساتھ تو تھا۔ جدائی کی اذیت بڑی جان لیوا ہوتی ہے مگر مل کر نہ ملنے کی اس صورتحال نے تا حال اسے ایک کسک میں مبتلا کر دیا تھا۔ رات کیسے کٹی پتا نہ چلا۔

صبح اسے ائیر پورٹ چھوڑنے سب ہی آئے تھے۔ اس کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔ اکیلے سفر کا خوف تھا زمانہ فردا کی فکر نے اسے نڈھال کر دیا۔

عائشہ بیگم اور مہ جبین بار بار اسے اپنے ساتھ لپٹا لیتیں۔ آخر میں آصف صاحب سے مل کر وہ نوجوان پارٹی کی طرف آئی۔ زویا کے گلے لگی تو الگ ہی نہیں ہو رہی تھی۔ خیر جلدی جلدی سب سے مل ملا کر عدیل اور جاذب کو مزید شرارتوں کا پاس جاری کروا کر جاذب بھائی کی نصیحتوں اور دعاؤں میں وہ اشکبار رخصت ہوئی۔ ہوائی جہاز اڑا اور اسے اپنے سے دور لے گیا۔

ایبٹ آباد کے ائیر پورٹ پر وہ کافی دیر یونہی کھڑی رہی مگر تھوڑی دیر بعد ہی اسے ایک باوردی ڈرائیور جازیہ کرمانی کا بورڈ اٹھائے نظر آیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اس کے پاس پہنچی۔ عدیل حسب توقع نہیں آئے تھے وہ جانتی تھی لہٰذا چپ رہی اور خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"صاحب کو آفس میں بہت کام تھا اس لیے نہیں آ سکے۔ آپ کو گھر چھوڑنے کو بولا ہے۔ ادھر گھر میں کام کرنے والی ہے آپ کھانا وغیرہ کھا لینا۔ صاحب شام کے بعد ہی آئیں گے۔ کوئی خاص کام ہو تو ضرور بتا دیجئے۔ گا۔ صاحب نے بولا ہے۔" ڈرائیور نجانے کیا بول رہا تھا۔ مگر وہ تو وہاں تھی ہی نہیں۔ انجانے خوف نے اس کے اعصاب شل کر دیے۔ اور اس نے تھک کر سر گدی کی پشت پر ٹکا دیا۔

"صاحب اتنے دنوں سے کہاں تھے؟" وہ ایکدم بول پڑی۔

"آفس کے برابر والے فلیٹ میں۔ وہ جی کام جب زیادہ ہوتا ہے تو صاحب وہیں رہنے لگتے ہیں۔ اُن

Scanned with CamScanner

بیس دنوں میں کام کا کافی حرج ہوا اس لیے گھر نہیں آ سکے۔" وہ بتا رہا تھا۔

"کیوں کرتے ہیں وہ اتنا کام۔ بلاوجہ ہی بزنس کو اتنا پھیلا لیا ہے۔" وہ سوچ کر رہ گئی اور انہی سوچوں میں گھری وہ گھر آ گئی۔

ڈرائیور نے سامان اٹھایا اور گھر میں داخل ہو گیا۔ خوبصورت بنگلہ چاروں طرف سے ہریالی میں گھرا ہوا تھا۔ اندر بھی ایک بہت بڑا لان تھا۔ خوشنما پھول اور ہری ہری گھاس بلا کے خوبصورت لگ رہے تھے۔ سونے پہ سہاگہ موسم بہت ہی خوشگوار تھا۔

وہ اس قدر خوبصورت منظروں پر ششدر تھی۔ اتنا حسن تو اسلام آباد میں بھی نہ تھا۔ وہ کافی حد تک ذہنی طور پر فریش ہو گئی۔ تھوڑی دیر تک لان میں ٹہلتی رہی اندر جانے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔ ڈرائیور اسے سلام کر کے کب کا جا چکا تھا۔ اندر بالکل سکوت تھا۔ اس نے قدم آگے بڑھائے اور اندر داخل ہو گئی۔

"اوہ خدایا۔" اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔ تھوڑی دیر پہلے والی فریشنیس ختم ہو چکی تھی۔ کوفت نے اس کی جگہ لے لی تھی۔ کمرہ تھا یا مسافر خانہ۔ ہر چیز بکھری پڑی تھی۔ کمرہ ویل فرنیشڈ اور ایئر کنڈیشنڈ تھا مگر پھیلا وہ حد سے زیادہ تھا جس سے اسے زیادہ چڑ تھی۔

صوفوں کی گدیاں، اور کشنز قالین پر پڑے تھے ساتھ ہی میگزین اِدھر اُدھر ڈالے ہوئے تھے۔ ایش ٹرے بھی سجدے میں پڑی تھی۔ ایرانی قالین لگ رہا تھا کئی دنوں سے اس کی صفائی نہیں کی گئی۔ مختلف چائے کے کپوں کا ڈھیر میز پر لگا ہوا تھا۔ پردے پھیلے ہوئے اور کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ ہوا سے پردے بری طرح اڑ رہے تھے۔

چیزوں پر مٹی کی ایک موٹی تہہ جمی ہوئی تھی۔ تمام کمرہ کئی دنوں سے صفائی نہ ہونے کی چغلی کھا رہا تھا۔

وہ زیادہ دیر لونگ روم میں نہ ٹھہر سکی اور سیدھی بیڈ روم میں آئی۔ وہاں کا حال بھی کچھ مختلف نہ تھی۔ وارڈ روب کھلی تھی اور اس کے دروازے پر اَن گنت کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ بستر پر سوٹ کیس کھلا پڑا تھا۔ قالین پر موزوں اور جوتوں کی جیسے دکان سجی ہوئی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر عدیل کی فائلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ جلدی میں مطلوبہ فائل لینے کے لیے باقی سب کو ڈسٹرب کر دیا گیا تھا۔ سائیڈ ٹیبل پر مختلف کتابوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ وہ یقیناً سخت مصروف رہے ہوں گے گھر کی حالت ان کی مصروفیت کی غماز تھی۔

دو کمروں کی یہ حالت دیکھ کر اس نے تمام کمروں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ڈرائنگ اور ڈائننگ روم کے ساتھ ساتھ گیسٹ روم بھی کسی حد تک ٹھیک تھے مگر اسٹڈی روم کا بہت برا حال تھا۔ تمام کتابیں بیچ میں رکھی میز پر دھری تھیں۔ شاید انہیں ایک دفعہ بھی ریکس میں نہیں رکھا گیا تھا۔

پورے گھر کا چکر لگا کر جب وہ کچن میں آئی تو قیامت کا منظر تھا۔ سنک برتنوں سے بھرا ہوا تھا۔ تمام ٹائلز نہایت گندے ہو رہے تھے۔ سلیب پر پیاز کے چھلکے ہری مرچ کے بیج اور آٹا پھیلا ہوا تھا۔

تمام کا تمام گھر مٹی میں اٹا ہوا تھا۔ اس کی صفائی اور نفاست پسند طبیعت پر منوں بوجھ آ پڑا۔ صفائی کہاں سے شروع کرے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ نوکروں پر گھر کا بوجھ ڈالنے سے گھر اچھا خاصا اصطبل بن گیا تھا۔ اوپر سے عدیل نے بھی اتنے دنوں سے گھر کی خبر نہ لی تھی۔

"نئی دلہن کا اس طرح استقبال کیا جاتا ہے؟" وہ سوچ کر رہ گئی۔ مگر وہ تو دلہن ہی کہاں تھی۔ بس ایک بوجھ تھا۔ ایک فرض تھا جو کسی کی خوشی کے لیے پورا کر دیا گیا تھا۔ جاز یہ آزردگی سے مسکرا دی۔

ابھی تک گھر میں اسے کوئی نہیں ملا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سرونٹ کوارٹر کا رخ کرتی، سامنے سے ایک کام کرنے والی، ادھیڑ عمر عورت چلی آئی۔

"آپ بیگم صاحبہ ہیں جی۔" وہ پوچھ رہی تھی۔

"ہاں۔" اس کے بیگم صاحبہ کہنے پر وہ مسکرا دی۔

"معاف کیجیے گا بیگم صاحبہ۔ مجھے دو ہفتوں سے بخار تھا، اس لیے گھر کی صفائی نہ کر سکی۔ اس گھر میں آئے ہوئے بہت کم عرصہ ہوا ہے جی۔ صاحب بھی بہت جلد چلے گئے۔ میری طبیعت خراب تھی پھر میں کیسے کام کرتی۔" وہ کھانستے ہوئے تاویلیں اور توجیہہ پیش کر رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ میں صفائی کر لوں گی۔ بس تم

Scanned with CamScanner

مجھے گائیڈ کر دینا۔" جازیہ اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولی۔

"جی کیا کروں۔ جی۔" وہ "گائیڈ" نہ سمجھی۔

"اوہ میرا مطلب ہے سمجھا دینا۔" جازیہ ہنس دی تو وہ بھی اثبات میں سر ہلا کر مسکرا دی۔

پھر وہ ایک ایک کمرے کی صفائی کرنے لگی۔ کام کرنے والی اسے ضرورت کی ہر چیز کا پتا بتا رہی تھی۔ سب سے پہلے ڈرائنگ روم اور گیسٹ روم کی جھاڑ پونچھ کی اور پردے وغیرہ بدلے۔ پھر لونگ روم کے تمام کشنز کے غلاف تبدیل کر کے صاف کھرے کور چڑھائے۔ میگزین سمیٹے اور چائے کے تمام برتن کچن میں پہنچائے۔ تمام مٹی جھاڑ کر اچھی طرح ڈسٹنگ کی۔

بیڈ روم میں چادریں تبدیل کیں۔ صاف تکیے غلاف چڑھائے۔ جوتے اور موزے ان کی الماری میں سیٹ کر کے تمام کپڑے نفاست سے ہینگروں میں لٹکا دیے۔ فائلیں سمیٹ کر دراز میں سیٹ کیں۔ پردے بھی بدلے۔ تمام میلے کپڑے بھی اسٹور میں ڈال دیے۔ اور کچن میں چلی گئی۔

کام کرنے والی حیرانی سے جازیہ کے تیز تیز چلتے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ جو کام وہ چار دن میں نہیں کر سکتی تھی وہ جازیہ نے چار گھنٹوں میں کر دیے تھے۔ کچن میں کام کے دوران وہ مسلسل جازیہ کو عدیل کا ٹائم ٹیبل بتا رہی تھی۔

"صاحب صبح سات بجے اٹھتے ہیں، نہاتے ہیں پھر آٹھ بجے تیار ہو کر ناشتہ کرتے ہیں پھر آفس چلے جاتے ہیں۔ وہاں سے دو بجے آ کر کھانا کھاتے ہیں اور دو گھنٹے سوتے ہیں۔ پھر شام ساڑھے چار بجے والی چائے پی کر واپس چلے جاتے ہیں۔ ساڑھے آٹھ بجے آتے ہیں کھانا کھاتے ہیں کچھ دیر پڑھتے ہیں۔ اور جی صبح بیڈ ٹی بھی لیتے ہیں۔" وہ مسلسل بول رہی تھی۔ جازیہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"ارے تم کو تو پورا ٹائم ٹیبل رٹا ہوا ہے۔" جازیہ واشنگ لوشن کے پانی میں برتن ڈالتے ہوئے بولی۔

"ہاں جی۔ صاحب کا ہمیشہ سے یہی ٹائم ٹیبل رہا ہے آج صبح ان کا فون آیا تھا۔"

"کیوں؟"

"وہ جی! وہ پوچھ رہے تھے گھر کی صفائی کی؟"

"پھر تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کہا کہ میری طبیعت خراب تھی اس لیے نہیں کر سکی۔"

"پھر کیا ہوا۔ ڈانٹ پڑی؟" جازیہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ صاحب بڑے نرم دل ہیں۔ وہ جانتے ہیں میں بیمار رہتی ہوں اس لیے ڈانٹا تو نہیں البتہ وہ پریشان ہو گئے۔ کہنے لگے آپ آئیں گی تو بہت پریشان ہوں گی۔ سارا کام کرنا پڑے گا۔"

"ارے نہیں۔ اب یہ سارا کام میں ہی کیا کروں گی۔ تم یوں کرو کہ دھوبی آئے تو اسے اسٹور میں پڑے تمام کپڑے دے دینا۔ میں برتن دھو کر سیٹ کر دوں گی پھر مصالحوں کی الماری ترتیب دوں گی اس کے بعد اسٹڈی روم کی اچھی طرح صفائی کر کے جھاڑو وغیرہ دے کر نہا لوں گی۔"

"جی اچھا۔ پر آپ تھک جائیں گی۔" وہ ہمدردانہ لہجے میں بولی۔

"ارے نہیں۔ گھر کا کام کر کے تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ اچھا تم یہ بتاؤ کہ تم نے کھانا کھایا یا نہیں؟"

"ہاں جی کھا لیا۔ آپ کھائیں گی؟"

"نہیں فی الحال تو مجھے بھوک نہیں۔ اگر محسوس ہوئی تو کھا لوں گی تم آرام کرو جا کر۔" جازیہ مسکرا کر بولی تو وہ خوش ہو گئی۔

اس کو ہمیشہ نوکروں کے ہاتھوں سے کام کروانا پسند نہ تھا، جب تک اپنے ہاتھوں سے کام نہ کر لیتی۔ اسے سکون نہ ملتا۔ جب اپنے ہاتھ سلامت ہیں تو دوسروں کا محتاج بننے سے فائدہ۔

کام کرنے والی چلی گئی۔ جازیہ نے تمام کھانا صاف ڈسٹ کر کے فریج میں رکھ دیا۔ برتنوں کا شوکیس اور مصالحوں کی الماری صاف کر کے ٹائلز دھوئے اور کچن بند کر کے اسٹڈی روم میں آ گئی۔ کتابیں بھی مٹی میں اٹ رہی تھیں۔ ریک صاف کر کے وہ آہستہ آہستہ کتابیں جھاڑ کر ان میں نفاست سے جماتی رہی۔ ڈیڑھ گھنٹہ

Scanned with CamScanner

یونہی گزر گیا۔

آخر میں میز کی ڈسٹنگ کر کے وہ باہر آگئی تمام کمروں کے قالینوں کو ویکیوم کلینر سے اچھی طرح صاف کر کے وہ نہا کر فریش ہو گئی۔ تھکن اتنی ہو گئی تھی کہ جسم کا رواں رواں دکھ رہا تھا۔ مسلسل چھ گھنٹے کے کام نے اسے بالکل ہی تھکا دیا۔ ایک تو پہلے ہی سفر کی تھکان تھی پھر سوچوں کا بوجھ الگ۔ سب نے مل کر ذہنی اور جسمانی طور سے تھکا دیا تو وہ بغیر کھانا کھائے ہی سو گئی۔ وہ اور نجانے کتنی دیر سوتی مگر ماسی نے آکر اسے اٹھا دیا۔

"اوہ خدا۔ چھ بج گئے ہیں۔" وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"جی آپ کافی دیر سوئیں۔" ماسی بولی۔ "آپ منہ ہاتھ دھو کر آجائیں میں نے چائے بنالی ہے۔"

"اوہ شکریہ۔ اس وقت واقعی چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔" وہ مسکرا دی۔ اسے یہ بھولی سی کام کرنے والی ماسی بڑی اچھی لگی اور جب وہ جی جی کر کے بولتی تو اسے اس پر ڈھیروں پیار آجاتا۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر آئی اس وقت تک ماسی۔ چائے کی ٹرالی اندر لے آئی تھی۔

"اوہ۔ تھینکس۔"

"کوئی بات نہیں جی۔ یہ تو ہمارا کام ہے۔"

"تمہارا نام کیا ہے۔" جازیہ نے چائے بناتے ہوئے پوچھا۔

"ثریا۔"

"ہوں۔ اچھا نام ہے۔" وہ کچھ سوچ کر بولی تو دونوں ہی ہنس دیں۔

"آپ تو بہت ہی اچھی ہیں بیگم صاحبہ۔ بالکل صاحب کی طرح نرم اور شفیق۔" ثریا ان دونوں کی تعریفیں کرنے لگی۔

"اچھا۔ زیادہ مکھن نہیں۔" وہ مسکائی۔ "اب ایسا کرو تم اپنے کوارٹر میں آرام کرو، میں ذرا کھانا بنالوں۔" جازیہ اٹھنے لگی۔

"میں بنالوں گی۔ آپ فکر نہ کریں جی۔"

"ارے نہیں اب اس گھر کا ایک ایک کام میں خود کروں گی۔" جازیہ بولی۔ "آخر ایک ہی تو حق ملا ہے مجھے۔" وہ سوچنے لگی مگر کہہ نہ سکی۔

"اور میں۔" ثریا بولی۔

"تم میرا دل بہلاؤ گی۔" وہ سوچوں کے ہجوم سے نکل کر مسکرا دی تو ثریا مطمئن ہو کر واپس کوارٹر میں چلی گئی۔

گھر صاف کر کے جازیہ پرسکون ہو گئی تھی۔ تمام گھر شیشے کی طرح چمک رہا تھا۔ وہ کافی دیر لان میں ٹہلتی رہی۔ پھر کچن میں آکر کھانے کا انتظام کرنے لگی۔ رات کو عدیل آئے تو اس نے کھانا لگا دیا۔

"آپ کو یہاں پہنچنے میں کوئی خاص پریشانی تو نہیں ہوئی۔" عدیل نے بیٹھتے ہی پوچھا۔

"نہیں تو۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"آئی ایم سوری۔ آپ کو یہاں آکر بہت کام کرنا پڑا۔ اصل میں ماسی بیمار ہے۔" وہ نادم تھے۔

"ارے نہیں۔ ایسا تو کوئی خاص کام نہ تھا۔" وہ کسرِ نفسی سے بولی۔

"خاص کیوں نہیں۔ سارا گھر چمک رہا ہے۔ لگتا ہے بہت محنت کی ہے۔" عدیل نے ستائشی لہجے میں زیرِ لب مسکرا کر کہا تو اس کے اندر ٹھنڈک اتر گئی۔ جواب میں وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔ باقی وقت ان کے درمیان کوئی خاص بات نہ ہوئی۔

صبح جازیہ نے ان کے کپڑے استری کر کے ناشتہ بنا کر انھیں جگایا اور بیڈ ٹی بھجوائی۔ آج عدیل کو گھر میں ایک خوشگوار تبدیلی محسوس ہو رہی تھی۔ ذائقے دار ناشتا کر کے وہ خاصے مسرور اور فریش تھے۔

"جازیہ۔ آج تیار رہیے گا۔ شام کو میرے دوست کے گھر دعوت ہے۔ وہاں جانا ہے۔" وہ جاتے جاتے بولے۔

"جی۔" اس نے سر ہلا کر کہا۔

"دل نہ چاہتے ہوئے بھی رسمِ دنیا نبھانی پڑ رہی ہے انھیں۔" وہ سوچ کر رہ گئی۔ نجانے کیوں دل میں خوشی کے بجائے دکھ نے اپنے سائے گہرے کر دیے۔

تمام دن وہ کھوئی کھوئی کام میں مصروف رہی۔ شام کو عدیل کے آتے ہی وہ تیار ہو گئی۔ بوتل گرین پیور سلک کی ساڑی میں وہ بہت ہی حسین لگ رہی تھی۔ گلے میں نازک سا پتے کا سیٹ جگمگا رہا تھا۔ لانبے بال ڈھیلے سے جوڑے میں بیلے کی کلیوں کے ساتھ بے انتہا

Scanned with CamScanner

جاذبِ نظر لگ رہے تھے۔ بہت ہی لائٹ میک اپ میں اس کا سادہ سا حسن مزید دمک اٹھا۔ اک پل کو تو وہ خود بھی اپنے سراپے کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ کتنی حسین ہو گئی تھی وہ۔ پھر چہرے پر پھیلی متانت نے اسے اور بھی خوبصورت بنا دیا تھا۔

"لوگوں کو تو خوشیاں حسین بناتی ہیں۔ مجھے تو نارسائی کے کرب نے ہی خوبصورت بنا ڈالا ہے۔" وہ سوچ کر ہی مسکرا دی۔ ان گنت غموں نے اُس کے حسن میں سوز کا رنگ بکھیر دیا تھا۔ تھوڑی دیر میں عدیل بھی تیار ہو کر آ گئے۔ دونوں گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے۔

راستہ بڑی خاموشی سے کٹ رہا تھا۔ آج پہلی بار وہ اکیلی عدیل کی سنگت میں کہیں جا رہی تھی ورنہ تو ہمیشہ ہی عمارہ، سارہ کو گھسیٹتی، وہ نہ نہ کرتی رہ جاتیں اور یہ انہیں ساتھ لے جا کر ہی دم لیتی۔ اکیلے میں عدیل کو فیس کرنا ذرا مشکل لگتا تھا۔

وہ اپنے خیالوں میں مگن بیٹھی تھی۔ گاڑی کے بریک لگتے ہی چونک پڑی۔

"ایک منٹ میں ابھی آیا۔" عدیل یہ کہہ کر گاڑی سے اتر گئے۔ اور سوچوں کا لامتناہی سلسلہ جازیہ کے لیے چھوڑ گئے۔ ابھی وہ ان کے یہاں رکنے کا مقصد سوچ ہی رہی تھی کہ تھوڑے فاصلے پر عدیل نظر آ گئے ساتھ ہی کوئی لڑکی تھی۔ وہ سر پر دوپٹہ جمائے ان سے کچھ کہہ رہی تھی۔

فاصلے کی وجہ سے ان کا چہرہ ٹھیک سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر اسے یہ جاننے میں ذرا دیر نہ لگی کہ وہ کون تھی۔

دو موٹے موٹے آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ کر رخسار بھگو گئے۔ سب کچھ جاننے اور باوجود کوشش و ضبط کے وہ رو دی۔

ان کو واپس آتا دیکھ کر اس نے جلدی سے آنسو پونچھ لیے۔ وہ واپس آئے تو اک دلنواز مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی تھی۔ جیسے جو چاہتے تھے وہ ہو گیا تھا۔

تمام رستے وہ گم صم دماغ لیے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ وہ کب منزلِ مقصود پر پہنچے جازیہ کو پتا ہی نہ چلا۔ ہوش میں تو جب آئی، جب عدیل نے اس کے لیے دروازہ کھولا۔

"چلیے پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔" انھوں نے اسے ناقدانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گئے۔ وہ خاموشی سے گاڑی سے باہر آ گئی اور دل سے اٹھتی ٹیس اور ہوک کو سینے میں دبا کر اندر کی طرف چل دی۔ سوچوں کو بروقت ذہن کی پٹاری میں سر اٹھانے سے پہلے ہی سلا دیا۔ اور مسکراہٹ سے ہونٹوں کو آراستہ کر لیا۔ اب وہ صرف اور صرف ہنستی مسکراتی جازیہ تھی۔ بے حد ملنسار اور ہنس مکھ جازیہ۔ جو بھی اس سے ملا اس کی خوش گفتاری سے امپریس ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کا چہرہ اب ہر قسم کے غم کے سایوں سے عاری تھا۔ اک انجانی خوشی اسے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی وجہ عدیل کے ہونٹوں کی مسکراہٹ تھی۔ اس ڈیڑھ ماہ کے ساتھ میں اس نے پہلی بار انھیں اتنا خوش دیکھا تھا شاید "اس" سے ملنے کی خوشی تھی۔ اور پگلی جازیہ ان کی خوشی میں خوش تھی۔

وہ اس وقت جانِ محفل بنی ہوئی تھی۔ عدیل کے دوستوں کی بیویاں اس سے مل کر بہت خوش ہوئیں۔ ہنسی مذاق میں وقت گزر رہا تھا۔ جازی کی مترنم ہنسی گونجی تو عدیل نے چونک کر اسے دیکھا۔

چہرے پر اطمینان اور خوشی کا ملا جلا تاثر تھا لبوں پر تبسم اور آنکھیں کسی جذبے کے تحت چمک رہی تھیں۔ وہ حیران رہ گئے۔ جازیہ نے کتنے بڑے سانحہ کو اس صبر کے ساتھ برداشت کر لیا تھا اور نہ صرف برداشت کیا تھا بلکہ خوشی خوشی رسمِ دنیا بھی نبھا رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہو گئے اور اس کے ظرف سے متاثر بھی۔

مگر جازیہ کے دل میں کتنے طوفان اٹھ رہے تھے کسی کو معلوم نہ تھا۔ وہ اس وقت کس اذیت سے گزر رہی تھی۔ کوئی نہ جان سکا یہاں تک کہ عدیل بھی نہیں کیونکہ:۔

Scanned with CamScanner

ے تمام جسم تھا گھائل کر گھاؤ ایسا تھا۔
کوئی نہ جان سکا رکھ رکھاؤ ایسا تھا۔

بہت سے بے کیف دن یونہی سسکتے ہوئے گزر گئے۔ موسم کی خوشگوار تبدیلی بھی ماحول کے جامد اور پر سکوت سناٹے کو نہ بدل سکی۔ جازیہ نے عدیل کے برابر والا بیڈ روم اپنے لیے سیٹ کر لیا۔ اب ان دونوں کا سامنا صرف کھانے کی ٹیبل پر ہوتا۔

جازیہ اور وہ اب بھی پہلے دن کی طرح اجنبی تھے۔ کبھی کبھی وہ کوئی بات چھیڑ دیتے تو جازیہ ہوں ہاں کر دیتی۔ نئے ماحول اور والدین، بہن بھائیوں سے پہلی بار اتنی دیر تک کی جدائی نے اسے کسی حد تک قنوطی بنا دیا۔

عدیل کے دوستوں کے ہاں اکثر دعوتیں ہوتیں دونوں ہی شریک ہوتے۔ سب کے سامنے دونوں کافی بے تکلفی برتتے لیکن گھر آ کر پھر وہی اجنبیت، بیگانگی اور دوریاں دیوار بن کر کھڑی ہو جاتیں۔

کام کرنے والی بھی بیماری کے باعث اپنے گاؤں لوٹ گئی اپنے رشتے داروں کے پاس۔ اب جازیہ تھی اور خاموشیاں جو اس کے در پر نوحہ کناں تھیں اسے مطالعہ کا ایسا کوئی خاص شوق بھی نہ تھا مگر تنہائی سے گھبرا کر وہ کتابوں کا سہارا لیتی۔ اس کا زیادہ تر وقت اسٹڈی روم میں گزرتا۔

عدیل کو اس کے اکیلے پن کا احساس تھا اور ندامت بھی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے دوست احبابوں سے ملایا۔ اور انڈر سٹینڈنگ پیدا کرنے کی کوشش کی مگر ذہنی خلفشار اور اندرونی انتشار نے اس کے گرد ایک حصار قائم کر دیا تھا۔ وہ دلی طور پر کسی سے بھی ملنے ملانے پر آمادہ ہی نہ ہوتی۔ بس خود ساختہ خول میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔

تنہائی میں ماضی کے زریں اور سنہری اوراق پلٹتی تو اشک نہایت خاموشی سے اس کا چہرہ بھگو ڈالتے۔ عدیل کا برتاؤ خاصا نرم تھا۔ مگر محبت کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ جازیہ سب کچھ جاننے کے باوجود کبھی کبھی بالکل بکھر جاتی۔ انھیں حاصل کرنے کے باوجود وہ انہیں حاصل نہ کر سکی تھی۔ نارسائی کے کرب نے کئی اذیت ناک سوچیں اس کے معصوم ذہن میں پیدا کر دی تھیں۔ وہ آپ ہی آپ گھل رہی تھی۔ وہ تو سوجان سے عدیل کی ہو گئی تھی مگر وہ اس کے ہو کر بھی اس کے نہ تھے۔ اسے اپنی جیت بھی ہار ہی لگتی۔ عدیل اس کے ہو کر بھی اس کے نہ تھے۔

یہ بھی آداب ہمارے ہیں تمہیں کیا معلوم
ہم تمہیں جیت کے ہارے ہیں تمہیں کیا معلوم
اک تم ہو کہ سمجھتے نہیں ہو ہم کو
اک ہم ہیں کہ تمہارے ہیں تمہیں کیا معلوم

اس کی ناکام محبت راتوں کے گہرے اندھیرے میں تڑپتی تو وہ اک ان دیکھی آگ میں سلگ جاتی۔

عدیل اس کے جذبات و احساسات سے بے خبر تھے۔ کبھی کبھی وہ آفس سے دیر سے آتے تو جازیہ کو ان کے چہرے پر پھیلے سکون اور مسرتوں کے سایوں سے یہ پتا لگانے میں دیر نہ لگتی کہ وہ اتنی دیر کہاں تھے؟ وہ سب کچھ جانتی تھی پھر بھی رو دیتی اور پھر خود ہی اپنے ہاتھوں سے آنسو خشک کر لیتی۔ دوبارہ نہ رونے کا فیصلہ کر لیتی۔ مگر قسمت کی طرح آنسوؤں پر بھی کسی کا زور نہیں چلتا جب وہ بہہ جانے پر آ جائیں تو پلکوں کی — گھنیری باڑ بھی انھیں نہیں روک پاتی اور وہ روانی سے بہہ جاتے اور دل کی داستان سنا جاتے۔ اسی آنکھ مچولی میں روز و شب بیت رہے تھے۔

عدیل کافی — دیر فون پر کسی سے باتیں کرتے رہتے۔ مگر وہ کوئی خاص نوٹس ہی نہ لیتی۔ کبھی اسٹڈی روم میں چلی جاتی تو کبھی کچن میں مصروف ہو جاتی۔ اس کے علم میں تھا کہ دوسری طرف فون پر کون ہے؟ اس لیے کسی قسم کا تجسس نہ ابھرتا۔ عدیل مسکراتے ہوئے فون پر سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہتے۔

دو دن سے وہ بہت پریشان تھے۔ دو دن پہلے ملنے والے فون پر نجانے کیا گفتگو ہوئی تھی کہ وہ سخت متفکر نظر آ رہے تھے۔ رات کافی دیر تک ڈائری لکھتے رہے۔ یہ ان کی عادت تھی کتنی ہی رات کیوں نہ ہو جاتی وہ ڈائری ضرور لکھتے۔

ان دو دنوں میں جازیہ نے محسوس کیا کہ وہ اس

Scanned with CamScanner

سے کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر کہہ نہیں پا رہے۔ وہ اسے مخاطب کرتے اور گڑبڑا جاتے۔ اسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ کوئی خاص بات ہے جو عدیل جیسے سلجھے ہوئے شخص کو الجھا رہی ہے۔ عدیل کے خاموش سوالات اور الجھن خود اسے الجھا دیتے۔

ایسے میں اس کا دل چاہتا کہ اس جگہ سے کہیں دور بھاگ جاتے۔ کسی کے اوپر زبردستی مسلط ہو کر رہنے سے اسے کوئی خوشی نہ تھی۔ بلکہ وہ تو ہمیشہ دعا کرتی۔ مگر وقت نے اسے ایسے دوراہے پر کھڑا کر دیا تھا کہ پلٹ جانا بھی مشکل تھا اور آگے کانٹوں بھری راہیں بھی اس کا عزم متزلزل کرنے کے لیے کافی تھیں۔

وہ انجانے میں دو دلوں کے بیچ دیوار بن گئی تھی یہ خیال ہی اس کو اندر ہی اندر گھن کی طرح چاٹ رہا تھا۔ دوسرے عدیل کی الجھن مزید کشمکشیاں پیدا کر رہی تھی۔ وہ اس وقت ایسے پتے کی مانند ہو گئی تھی جو ہوا کے جھونکوں کے رحم و کرم پہ تھا کہ وہ کہیں بھی اسے اڑا لے جاتا۔ اس کی کوئی وقعت نہ رہی تھی۔

"جازیہ۔ آپ یہاں پر سکون تو ہیں؟" کھانے کی ٹیبل پر عدیل نے چمچے سے کھیلتی ہوئی جازیہ کو کن انکھیوں سے دیکھا۔ وہ سر جھکائے نجانے کس سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

سوال کیا تھا ایک تیر تھا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا اور ایک افسردہ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی سکون نام کی چیز تو عرصہ ہوا اس کی زندگی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئی تھی۔

وہ کیا جواب دے یہی سوچ رہی تھی اور اپنے نازک تراشیدہ ہونٹ بڑی بے دردی سے کاٹ رہی تھی عدیل اس کی بولتی ہوئی کیفیت دیکھ رہے تھے۔ ان کے سوال نے کسی پتھر کی طرح جازیہ کی سوچوں کے بھرے ہوئے سمندر میں تلاطم پیدا کر دیا تھا۔ اس کی جھیل سی مضطرب آنکھیں عدیل کی آنکھوں سے جا ٹکرائیں۔

"جی۔ میں تو پُرسکون ہوں۔ مگر میری وجہ سے آپ کی پرسکون زندگی انتشار اور خلفشار کا شکار ہو گئی ہے۔ میں شرمندہ ہوں۔" جازیہ نے پلکیں جھکا لیں۔ عدیل کچھ بولے نہیں بس اسے دیکھنے لگے۔ سفید کرتے شلوار پر ملٹی کلر کی کڑھائی میں وہ بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔

"میں نے دو دلوں کے درمیان رکاوٹ پیدا کر دی ہے مجھے اس کا شدت سے احساس ہے۔" دل کی بات آخر کار زبان پر آ گئی۔ عدیل نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے جازیہ۔ آپ خوامخواہ ایسی باتوں کو ذہن میں جگہ نہ دیں۔ قسمت پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ آپ اپنے آپ کو بلاوجہ مجرم نہ گردانیں۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اس میں آپ کا یا میرا کوئی قصور نہیں۔" وہ سنبھل کر بولے

"آپ زیادہ سوچا نہ کریں۔" عدیل کھانا ختم کر کے اٹھ گئے۔ تو انہیں دیکھ کر وہ بھیگی بھیگی پلکوں سے مسکرا دی۔ اس کی مسکراہٹ زخم خوردہ تھی اس میں زخموں کی کسک اور سوچوں کا سلگاؤ عدیل نے بھی۔ محسوس کیا۔

وہ اب بھی بغیر کچھ کہے اٹھ گئے تو جازیہ پھر الجھ گئی اور جلتی ہوئی آنکھوں کو بند کر کے سر کرسی کی پشت سے ٹیک دیا۔

کتنے ہی لمحے نہایت خاموشی سے سرسراتے ہوئے سرک گئے وہ خاموش بیٹھی سوچوں کے تانے بانے میں الجھ رہی تھی۔ آخر اس نے عدیل سے بات کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

عدیل اپنے بیڈروم میں ہاتھوں کا تکیہ بنائے مسہری پر نیم دراز آنکھیں بند کیے جانے کیا سوچ رہے تھے۔ چہرے پر تفکرات کے گہرے سائے لرزاں تھے۔ اسے یہ جاننے میں دیر نہ لگی کہ بات کی نوعیت یقیناً غیر معمولی ہے۔

دل میں وسوسوں اور خدشات نے ان گنت جال بُننا شروع کر دیے۔ دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔ جازیہ نے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے عدیل کو پکارا۔ اس کی آواز پر وہ چونک کر اٹھ بیٹھے۔ ان کی موجودگی میں وہ پہلی بار ان کے کمرے میں آئی تھی۔

"آپ کچھ دنوں سے مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہے ہیں" وہ بلا تمہید ہی شروع ہو گئی۔ آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی مگر لہجہ ٹھوس اور پُراعتماد تھا۔ انہوں نے لمحے کے لیے اسے دیکھا اور کچھ کہے بغیر اٹھ کر اضطرا

کیفیت میں ٹہلنے لگے۔ دونوں ہاتھ آپس میں جکڑے وہ کسی گہری سوچ میں مبتلا تھے۔ شاید مدعا کہنے کے لیے مناسب الفاظ ترتیب دے رہے تھے۔ چمکیلی۔ ذہین آنکھیں پریشانی کی غماز تھیں۔

ان کی کیفیات اور موجودہ حالات کے پیش نظر جازیہ اپنے اندر ہر بات کو صبر و استقلال سے سننے کا حوصلہ پیدا کرنے لگی۔ وہ اپنا اعتماد متزلزل نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

وہ کچھ دیر ٹہل کر اس کی طرف پلٹے۔ شاید انھیں مطلوبہ الفاظ مل گئے تھے۔ جازیہ استفہامیہ نظروں کے ساتھ ان کی منتظر تھی۔ وہ چند ثانیے اس کے سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری چہرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر خاموشی سے عین اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ ان کی خاموشی سے اسے الجھن ہو رہی تھی۔ آخر کار۔ انھوں نے کمرے کے سکوت کو اپنی بھاری اور گمبھیر آواز سے توڑا۔

"جازیہ۔ آپ کا اس طرح کب تک رہنے کا ارادہ ہے؟"

"تادمِ مرگ۔" جازیہ نے سوچتے ہوئے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ تو عدیل نے ٹھٹک کر اس نازک سے جسم مگر پتھریلی سوچوں اور مضبوط قوتِ ارادی والی لڑکی کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر پچھتاوے یا محرومی کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ بلکہ اس کے معصوم حسن میں اعتماد اور بھروسے نے اک عجیب سا نکھار پیدا کر دیا تھا۔ سنجیدگی سے پیدا شدہ وقار کے ہالوں نے اس کے لازوال حسن کو چار چاند لگا دیے تھے۔

وہ دوبارہ بولی: "آپ میری فکر نہ کریں۔ میں اپنے تمام حقوق سے بخوشی دستبردار ہو چکی ہوں۔ یہ جو زندگی میں گزار رہی ہوں یہ میری اپنی پسند ہے، اپنا انتخاب ہے۔ اس کے لیے میں نادم نہیں ہوں نہ ہی پچھتاووں سے میرا کوئی سروکار ہے۔ میں اپنی جگہ پر مطمئن ہوں۔ اپنے سابقہ فیصلے پر اب بھی اسی طرح قائم ہوں۔ اس لیے آپ کا یہ سوال میرے لیے قطعی بے معنی ہے۔" وہ ٹھہری اور اک سوچ بھری نظر ان پر ڈال کر دوبارہ گویا ہوئی۔

"البتہ میری وجہ سے آپ کو اپنی پسند اور معیار سے ہٹ کر زندگی گزارنی پڑ رہی ہے۔ مگر میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میں کسی بھی طرح آپ پر یا آپ کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہونا چاہتی، اس لیے آپ جس طرح اپنی زندگی گزارنا چاہتے ہیں گزاریے کیونکہ آپ بھی اس کا حق رکھتے ہیں۔" اس نے گول مول جملوں میں انھیں ہر بات کہنے کے لیے آمادہ کیا۔

"آپ جو کہنا چاہتے ہیں کہیے۔ میں منتظر ہوں۔" اس کے ٹھوس لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔ عدیل کی خاموشی سے اس نے بات کا اندازہ لگا لیا تھا۔

عدیل تذبذب میں مبتلا اسے دیکھ رہے تھے۔ اس نے ان کی کیفیت محسوس کر لی۔

"آپ دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں؟" بالآخر وہ بول ہی پڑی۔ عدیل جیسے گنگ ہو گئے۔ وہ ششدر تھے جازیہ نے کتنی آسانی سے ان کے دل کا حال معلوم کر کے اسے الفاظ کا جامہ بھی پہنا دیا تھا۔

دوسرے ہی لمحے وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں محرومی نہیں بلکہ ایثار کی جھلک تھی۔ عدیل کی خاموشی ہی اس کے سوال کا جواب تھی۔ تائید کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو رہی تھی۔

"آپ مجھے بتانا چاہ رہے تھے۔ سو میں نے جان لیا۔ آپ فیصلے کا حق رکھتے ہیں۔ میں تو پہلے ہی آپ کی محبت کی مجرم ہوں۔ خدارا۔ مجھے اپنی راہ کی رکاوٹ نہ خیال کیجیے گا۔ میری طرف سے مبارکباد وصول کیجیے۔" جازیہ نے اپنے تمام آنسوؤں کو اپنے اندر اتار کر گہرے اعتماد کے ساتھ عدیل کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

اور اک دلنواز مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائے باہر آ گئی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ زیادہ دیر اپنے پیروں پر نہیں کھڑی ہو سکے گی۔ وہ اپنے کمرے تک کس طرح پہنچی یہ صرف وہ ہی جانتی تھی۔

"اپنے ہاتھوں اپنا گھر اجاڑ دیا۔" دل نے دہائی دی۔

"گھر بسا ہی کب تھا۔" خود کو سمجھاتے ہوئے وہ بستر پر گر کر بری طرح رو پڑی۔ لمحہ بھر میں میلوں کے سفر کی تھکان محسوس ہو رہی تھی۔ آج وہ اپنی زندگی کی وہی بھی بازی خود اپنے ہاتھوں ہار آئی تھی۔

اپنے آپ پر جبر کر کے فیصلہ کرنا بھی تو کتنا مشکل

Scanned with CamScanner

تھا۔ پل صراط سے گزرنے کے مترادف۔ پھر عدیل تو اس کی محبت تھے۔ ان سے دستبردار ہو کر اس نے اپنے ہاتھوں زہر کا پیالہ پی لیا تھا۔

کتنی آسانی سے وہ سب کچھ کہہ آئی تھی مگر اب اس کا وجود جیسے زلزلے کی نذر ہو گیا تھا۔ اس کا نازک سا وجود کانپ رہا تھا اور آنکھوں سے اشک رواں تھے۔

عدیل جا چکے تھے شاید خوشخبری سنانے کے لیے۔ گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز نے اس کے دل میں ہلچل مچا دی۔ وہ اسے واقعی نظر انداز کر گئے تھے۔ اس خیال سے ہی وہ — کٹ گئی۔ آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔ وہ کتنی ہی دیر روتی رہی اسے پتا نہ چلا۔

رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی مگر اس کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا۔ آنکھیں روتے روتے خشک ہو گئی تھیں اور ذہن سوچ سوچ کر سن ہوا جا رہا تھا۔

آخر کب تک وہ یونہی عدیل پر مسلط رہے گی۔ لمحہ بھر کے لیے اس کا دل چاہا کہ اس بے وفا زندگی سے کنارہ کشی اختیار کر لے۔ مگر مصائب سے ڈر کر خودکشی کرنا اس کے نزدیک بزدلی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اور وہ ہار ماننے والوں میں سے نہ تھی۔ پیچھے ہٹنا اس کی زندگی کی لغت میں نہ تھا۔

اس نے عدیل سے محبت کی تھی۔ محبت تو قربانی کا دوسرا نام ہے۔ تو وہ بھی اپنی محبت کی خاطر محبت ہی کی قربانی دے گی۔ وہ یہ سب سوچ کر مطمئن ہو گئی۔ اور حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لیے دھیرے دھیرے اپنے آپ کو تیار کرنے لگی۔

رمضان کی آمد آمد تھی۔ عدیل زیادہ تر خاموش رہتے۔ مگر بہت ہی زیادہ خوش تھے۔ سب کچھ حاصل کر لینے کا اطمینان مسرت و خوشی کی جھلک بن کر ان کے چہرے سے جھلکتا۔ مگر جازیہ نے تو اپنے آپ کو مٹی کا مادھو بنا لیا تھا جس پر گردشِ زمانہ اور تغیرِ حالات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

عدیل اس کی ہمت کو دل ہی دل میں سراہتے۔ وہ زیادہ تر اسٹڈی روم میں رہتی یا عبادت میں۔ مشغول ہوتی اور معبودِ حقیقی سے دعا کرتی کہ وہ اسے ان نامساعد حالات میں ثابت قدم رکھے اور اس کا استقلال برقرار رکھے۔

اسلام آباد سے مسلسل خط اور فون آتے رہتے۔ اور وہ نہایت صفائی سے جھوٹ بولتے ہوئے سب کو اپنی اور عدیل کی خیریت سے مطلع کرتی رہتی۔ اس کے مطمئن لہجے سے کسی کو بھی اس کے اندر کے طوفانِ غم کا اندازہ نہیں ہوتا کہ اوپر سے تو وہ پرسکون ہی تھی۔ سمندر کی گہرائی کا اندازہ اوپر سے تھوڑی ہوتا ہے۔

یونہی دن بیتے جا رہے تھے۔ وہ اپنی جگہ جذبات سے عاری ہو چکی تھی اور آنے والے — حالات کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی۔ رمضان شروع ہو چکے تھے۔ عید والے دن عدیل کی شادی ہونا تھی وہ انھیں دوبارہ مبارکباد پیش کر چکی تھی اور ساتھ ہی ہر طرح کی مدد کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ عدیل اس کے ظرف اور حوصلے کے معترف بھی ہو گئے تھے۔ اور متاثر بھی۔ مگر وہ اپنا وعدہ نہیں بھولے تھے۔

جازیہ پابندی سے روزے رکھ رہی تھی اب تو عبادت میں اسے اور بھی سکون ملتا۔ اس کی بے چین روح کو قرار مل جاتا۔ سجدہ میں سر رکھ کر وہ — خدائے برتر کا شکر ادا کرتی کہ اس نے اس کے صبر پر حرف نہ آنے دیا اور اس سخت ترین امتحان میں ثابت قدم رکھا۔ کنوئیں کے پاس ہوتے ہوئے بھی پیاسے رہنا اور اپنی پیاس کو قابو میں رکھنا یقیناً کوئی آسان کام نہ تھا۔

وہ مطمئن تھی کہ اس نے اپنی محبت کی راہ میں قربانی دی تھی۔ اس کے والدین کا سر آج بھی اونچا تھا گو کہ وہ دکھوں کے اتھاہ سمندروں میں ڈوب — چکی تھی۔ اس نے تمام حالات و واقعات کو مقدر سمجھ کر قبول کر لیا تھا اور کوئی حرفِ شکایت اس کے لب تک نہ آیا۔

رمضان دھیرے دھیرے گزر رہے تھے۔ عدیل مصروف ہوتے جا رہے تھے۔ اسلام آباد سے آنے والے ہر فون پر انھیں عید پر آنے کی تاکید کی جاتی مگر عدیل نے معذرت کر لی۔ جازیہ وجہ جانتی تھی لہٰذا

Scanned with CamScanner

چلے بہانوں سے سب کو مطمئن کر دیا تھا۔ عید کے دو ہفتے بعد عمارہ اور اسد کی نسبت طے ہو رہی تھی۔ اس لیے فی الوقت تو کسی نہ کسی طرح ٹال ہی دیا۔

وہ ہر طرح سے عدیل کو سپورٹ کر رہی تھی۔ وہ شکریہ ادا کرتے تو وہ مسکرا کر رہ جاتی اور وہ اس کے آسودہ چہرے کو تکتے رہتے۔ چاند رات کو عدیل چلے گئے۔ انہیں عید بعد آنا تھا۔ جازیہ کے لیے انھوں نے ایک کام کرنے والی اور ایک قابلِ اعتبار چوکیدار کا بندوبست کر دیا تھا۔

دو دن بعد کیا ہونا تھا وہ جانتی تھی۔ ان دو دنوں کے بعد عدیل واقعی اس کے نہ رہتے۔ اب بھی وہ دلی طور پر نہ سہی پر سماجی طور پر تو اس کے تھے مگر آنے والے دن ان کے درمیان کھڑی دیوار کو مزید مضبوط بنا کر اس کی فصیلیں اونچی کرنے والے تھے۔ اور وہ اپنی بربادی کا سامان کرنے خاموش محوِ تماشا تھی۔

اَن گنت سوچوں نے اسے ذہنی اور جسمانی طور پر کمزور کر دیا تھا۔ محبت کی ناکامی کے اس وار نے اس کے نازک وجود میں دراڑیں ڈال دی تھیں۔

محبت میں وہ اس قدر اندھی ہو گئی تھی کہ اگر وہ اسے اپنی سوتن کو دلہن بنانے کے لیے بھی کہتے تو وہ تامال انکار نہ کرتی۔ شاید اپنا صبر آزمانا چاہتی تھی۔ اپنے ضبط کی حد معلوم کرنا چاہتی تھی۔ اس میں اس وقت بھی اتنی طاقت تھی کہ وہ سوچتی کہ:۔

کمالِ ضبط کو خود بھی تو آزماؤں گی۔
میں اپنے ہاتھ سے اس کی دلہن سجاؤں گی۔
سپرد کر کے اسے چاندنی کے ہاتھوں میں
اپنے گھر کے اندھیروں میں لوٹ آؤں گی۔

اپنی انہی بے ہنگم سوچوں سے گھبرا کر وہ چھت پر چاند دیکھنے کے لیے آ گئی۔ باریک ہلال کو دیکھ کر پچھلے سال کی عید کا منظر اس کی آنکھوں میں گھوم گیا۔ جازب، جاذب بھائی، زویا اور امی ابو کی ڈھیر ساری محبتیں اور شفقتیں یاد کر کے وہ بے اختیار رو دی اور چہرے کو بازوؤں میں چھپا کر سسکیاں بھرنے لگی۔ اس تنہائی میں کوئی کندھا ایسا نہ تھا جس پر وہ سر رکھ کر رو سکتی۔ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتی۔

چاند نظر آ گیا تھا۔ چھتوں پر آئے ہوئے شریر بچوں کا شور شروع ہو گیا۔ اس نے چاند کی طرف نظر کر کے اچھے دنوں اور عدیل اور اپنی ـــــ خوشیوں کے لیے لاتعداد دعائیں مانگ ڈالیں

چاند خوشیوں کی نوید دے کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ آنسو خشک کر کے بھاری دل لیے نیچے آ گئی۔ اس کے نام کئی کارڈ آئے پڑے تھے مگر دل ہی نہیں چاہا کہ کسی کو پڑھے۔ اس کمزور لمحے میں وہ جانتی تھی کہ کارڈ پڑھ کر وہ بہنے والے آنسوؤں کو روک نہیں پائے گی۔ ان پر بند نہیں باندھ پائے گی۔ اس لیے خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ نجانے کون سی کتاب تھی۔ اس نے اٹھا کر پڑھنا شروع کر دی۔ پڑھنے کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر اذیت ناک سوچوں سے فرار پانے کا کوئی اور راستہ بھی نہ تھا۔ بے دھیانی میں ورق گردانی کرتی رہی مگر وہ کیا پڑھ رہی تھی اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ دماغ کسی بات کو قبول ہی نہیں کر رہا تھا۔

وہ اٹھ کر عدیل کے بیڈ روم میں آ گئی۔ چادر ٹھیک کر کے وہ تکیہ اٹھا کر جھاڑ رہی تھی کہ معاً اس کی نظر تکیے کے نیچے رکھی عدیل کی نیلی ڈائری پر پڑ گئی۔ اور اس ہستی ـــــ کا نام جاننے کے لیے اس کے دل نے اسے اکسایا۔ جس نے اس سے اس کی حیات کا مفہوم چھین لیا تھا۔ ڈائری اٹھا کر وہ وہیں ان کے کمرے میں ایزی چیئر پر بیٹھ گئی۔ اور اسے کھول کر پڑھنا شروع کر دیا۔

تھا تو اخلاقی جرم مگر اس وقت وہ تمام اخلاقیات کو بھلا کر ڈائری کھولے بیٹھی تھی۔ شروع میں تو ان کی کاروباری میٹنگز وغیرہ کا ذکر تھا۔ کافی صفحات ان سے ہی متعلق تھے۔ مگر کہیں بھی اس لڑکی کا ذکر نہ تھا۔ وہ یونہی صفحات پلٹ رہی تھی۔ یکایک ایک صفحے پر اس کی نگاہیں جم گئیں، ٹھٹک گئیں۔ اس کا نام لکھا تھا اور ساتھ ہی لکھا تھا:۔

Scanned with CamScanner

"آج میں آصف انکل کے گھر گیا۔ دروازے پر جس لڑکی سے ملاقات ہوئی وہ یقیناً کوئی عام سی لڑکی نہ تھی۔ اس کی گھبراہٹ اور معصومیت میں مجھے بلا کی کشش محسوس ہوئی وہ ایک نظر میں تو مجھے اپنا آئیڈیل ہی لگی اس کا نام بھی اس کی طرح خاصا منفرد ہے "جازیہ" مجھے بہت اچھا لگا بالکل اس کی طرح انوکھا سمیت دل کو بھی بھا گیا۔"

اگلے صفحے پر لکھا تھا۔

"آج میں ایبٹ آباد آگیا ہوں مگر جازیہ کا سراپا کسی طور میرے ذہن سے نہیں نکل پایا۔ اس میں ایسا کیا ہے میں کچھ نہیں سکا لیکن اپنے دل کی اس حسین سی خواہش کو بخوبی سمجھ چکا ہوں۔"

وہ گنگ سی ڈائری تھامے بیٹھی تھی اس کی بے چین نگاہیں صفحہ پر اضطرابی انداز میں بھٹک رہی تھیں۔

آگے کے صفحات پر اس کے متعلق ڈھیروں باتیں لکھی تھیں۔ ساتھ ہی اسے اپنانے کا عزم بھی تھا ڈائری کے بیچ میں ایک خط تھا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ خط کھول کر پڑھنے لگی۔ رائٹنگ غیر مانوس تھی لکھا تھا

عدیل!

السلام علیکم۔ مزاج گرامی بخیر۔

تمہیں ڈھیروں مبارکباد کہ تم نے اپنی محبت کو پالیا ہے۔ مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ تم نے اپنا وعدہ یاد رکھا۔ پر یار وہ تو ہماری بے وقوفی کا زمانہ تھا جب ہم دونوں نے عہد کیا تھا کہ اپنی شریک حیات کو ضرور آزمائیں گے۔ اس کی محبت اور برداشت کا اندازہ لگائیں گے۔ مگر یار اب میں سوچتا ہوں کہ جن سے پیار کرتے ہیں ان پر اعتبار بھی کرتے ہیں۔ بہر حال تم اپنی مرضی کے مالک ہو، مجھے یقین ہے کہ جازیہ بھابی تمہارے معیار پر ضرور پوری اتریں گی۔ جب ان کو منا لو تو میری طرف سے مبارکباد پیش کرنا

۔ خدا حافظ

تمہارا خیر خواہ اور دعا گو۔

۔ عامر۔

یہ خط ان کے دوست عامر کا تھا۔ وہ ان کے گھر عدیل کے ساتھ جا چکی تھی۔ ڈائری میں عدیل کا وہ پروگرام پورا لکھا ہوا تھا جس سے وہ گزر چکی تھی۔ آگے ان کی چھوٹی شادی کے بارے میں لکھا تھا۔ اس کھیل میں عامر نے ان کا پورا ساتھ دیا تھا۔ وہ لڑکی جس کو جازیہ نے کئی بار گاڑی میں بیٹھا دیکھا تھا۔ وہ عدیل کی سیکرٹری تھی۔ فون پر وہ گھنٹوں بیٹھے یا تو عامر سے باتیں کرتے یا پھر کسی اور ہی انداز میں دھیمے دھیمے گفتگو کر رہے ہوتے۔

سب کچھ پڑھ کر اس پر شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری تھی۔

"تو کیا یہ سب جھوٹ تھا؟" وہ خوشگوار حیرت کے ساتھ سوچ رہی تھی۔

عدیل واقعی اسے چاہتے ہیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ڈائری اور خط اس بات کا کھلا ثبوت تھے۔

سعودی عرب کے قارئین کیلئے خوشخبری

۱. ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ

۲. ماہنامہ شعاع ۳. ماہنامہ کرن

کی قیمت (RETAIL PRICE)

سعودی عرب میں 12 ریال ہے،

۱. ماہنامہ عمران ڈائجسٹ ۲. ماہنامہ حنا

کی قیمت 10 ریال ہے، اس سے زیادہ نہ ادا کریں،

اگر کوئی زیادہ قیمت طلب کرے تو سعودی عرب کے ڈسٹری بیوٹر یا ہمیں اطلاع دیں،

الدار الادبیہ للنشر والتوزیع

Scanned with CamScanner

ڈائری میں کئی جگہ اس کی محبت کا اعتراف صاف لفظوں میں کیا گیا تھا اور اسے دھوکہ دینے پر اپنے آپ کو سخت نادم لکھا تھا۔

اسے کسی طور یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ کتنی ہی بار ڈائری اور خط پڑھ چکی تھی۔ جس نے تمام راز افشا کر دیے تھے۔ اور نہایت خوشگوار انکشافات کیے تھے۔ محبت کی جنگ میں اس کی جیت ہو گئی تھی۔ مگر وہ اب بھی بے اعتبار ہوئی جا رہی تھی۔ کمرے کی بوجھل فضا میں عدیل کی مخصوص خوشبو پھیل گئی اور ان کی آمد کا پتا دینے لگی۔ وہ چونک کر بجلی کی سرعت سے پیچھے پلٹی۔ عدیل اپنی تمام تر وجاہتوں سمیت دلنواز مسکراہٹ کے ساتھ اس کے سامنے تھے۔ اس کے ہاتھ میں ڈائری دیکھ کر انھیں پتا چل گیا تھا کہ جازیہ سب کچھ جان گئی۔ وہ ـــــ کہنے کی کوفت سے بچ گئے تھے۔ ہاتھوں میں جازیہ کے لیے عید کے کپڑے، پرفیوم، جیولری اور مٹھائی کے ساتھ ایک خوبصورت طلائی انگوٹھی بھی تھی۔ ان کی گہری گہری نظروں اور معنی خیز مسکراہٹ سے وہ ایکدم بوکھلا اور سٹپٹا گئی۔

"آپ" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔ ڈائری تو کب ہی کی قدم بوس ہو چکی تھی۔ عدیل اس کی کیفیت بھانپ کر ہنس پڑے۔

"جازی۔ تم اتنی بے وقوف ہو۔ مجھے اندازہ نہ تھا۔ میری آنکھوں میں بھی تمہیں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔" وہ نہایت بے تکلفی سے دوستانہ لہجے میں کہہ رہے تھے اور وہ تو ابھی تک غیر یقینی کی کیفیت میں انہیں ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔

"کیوں۔ اب بھی یقین نہیں آیا۔" وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے نہایت شوخی سے بولے۔ کتنی اپنائیت تھی ان کے انداز میں۔

وہ ان کا لمس محسوس کر کے یقین کی دنیا میں آ گئی اور باوجود ضبط کے ان کے ہاتھ پر پیشانی ٹکا کر رو دی۔ وہ نجانے کتنا اور روتی کہ عدیل نے اس کی ٹھوڑی کو چھو کر اس کا چہرہ اونچا کیا اور اس کی بھیگی بھیگی گلابی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گمبھیر لہجے میں بولے

"بس جازی۔ اب میں یہ آنسو دیکھوں نہ۔" اس کے رخساروں پر سے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے شوخ نگاہوں سے دیکھا جو پزل ہو رہی تھی۔

"کتنا رلایا ہے آپ نے مجھے۔ جانتے ہیں؟" وہ شاکی لہجے میں بولی تو وہ زور سے ہنس پڑے۔

"بس تمہیں آزما رہا تھا۔"

"میری وفا پر یقین نہیں تھا کیا؟" وہ عجیب سے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ اور عدیل کو اپنے اطراف خوشیاں رقص کرتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"یقین تھا۔ جبھی تو یہ قدم اٹھایا۔" وہ مسکرا دیے۔ تو جازیہ کے سر سے منوں بوجھ اتر گیا۔ اور اس نے نہایت دریا دلی سے انہیں معاف کر دیا۔

"اور اگر مجھے اعتبار نہ آتے تو؟" وہ اب پرسکون ہو گئی تھی لہٰذا فطری شوخی عود آئی۔ عدیل سے پہلی بار اس طرح بات کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"آزمائش شرط ہے۔" عدیل نے جگمگاتی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو دونوں کا ملا جلا قہقہہ سونے گھر کی ویرانیوں کو ڈھیروں رونق بخش گیا۔

"چاند مبارک ہو۔" عدیل نے بھیگی پلکوں سے مسکراتی ہوئی جازیہ کی مخروطی انگلی میں طلائی انگوٹھی پہنا کر گویا محبت کی مہر ثبت کر دی۔

"خیر مبارک۔" وہ شرما دی۔

"چلو جلدی سے تیاری کر لو۔" وہ ایکدم ہی بولے۔

"کیوں کہاں جانا ہے۔" جازیہ چونک گئی۔

"اسلام آباد۔" وہ دھیرے سے مسکرائے۔ "ہم اپنی پہلی عید وہیں منائیں گے۔ اپنوں کے ساتھ جہاں ہم ملے تھے۔"

انھوں نے کہا تو جازیہ نے سرشار ہو کر ان کے شانے پر سر رکھ دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اسے اپنے اردگرد ملن رت کی مدہم مدہم آہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔

وہم و گماں سے دور دور یقین کی حد کے پاس پاس دل کو بھرم یہ ہو گیا کہ ان کو ہم سے پیار ہے۔

☆

Scanned with CamScanner